اگست 08 کے ناول

انگارہ مشن (60واں خاص نمبر)

خونی پروگرام ، انوکھا شکار ، دشمن شہر ، شہر کے قیدی

ستمبر 08 کے ناول

تمن کا طوفان (61واں خاص نمبر)

زرد لفافہ ، پرہول سازش ، نامعلوم دشمن ، قصبے کی روح

اکتوبر 08 کے ناول

خلا میں ہنگامہ (62واں خاص نمبر)

پراسرار اغوا ، اغوا کا جواب ، اغوا کی شاخ ، اغوا کی موت

نومبر 08 کے ناول

شاکورہ کا بازیگر (63واں خاص نمبر)

جاسوس ہو تو ایسا ، چوتھا ٹکڑا ، ہیروں کا بکس ، چوکور نیلا ستارہ

دسمبر 08 کے ناول

کالا زار (64واں خاص نمبر)

خون آلود خنجر ، روبال ، رے راتا ، خودکشی کی دعوت

جون 09 کے ناول

تمن گام کا جرم (65واں خاص نمبر)

پرانا ہوا، آخری ڈاکا، غول در غول، سوزانی درندہ

اکتوبر 09 کے ناول

ایک ارب ڈالر کا منصوبہ (66واں خاص نمبر)

ٹوپی کا معمہ، نقشے کی لینڈ، خونی دعوت، فرضی زمین

دو باتیں

السلام علیکم!

ان دو باتوں کا عنوان اگر میں یہ رکھ دوں، ہمارے بھی ہیں مہربان کیسے کیسے، تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے، میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ تو سنیے، کیسے کیسے مہربانوں میں سے ایک مہربان کی بات کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے خط لکھا۔ خط خوبصورت لفافے میں بند تھا، لیکن تقریباً پندرہ جگہ سے اسے پنچ کیا گیا تھا۔ یعنی پنچ مشین کے ذریعے پنیں لگا دی گئی تھیں۔ خط میرے ہاتھ میں آیا، میں نے لفافے کو کھولنا شروع کیا۔ راایک ایک پن کو اکھاڑا۔ اس طرح تقریباً دو منٹ صرف ہوئے۔ کو پنیں خط میں لگی رہ گئیں، انہیں بھی اکھاڑا۔ ایک منٹ اور لگ گیا۔ اب جو خط کو کھولا تو اس کا حلیہ ایسا تھا، جیسے جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا کپڑا۔ اس میں تیس جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ تحریر چھنی چھلنی لگ رہی تھی۔ بہت مشکل سے پڑھ پایا، لیکن تحریر کا مطلب کس طرح سمجھ میں آ سکتا تھا، جب کہ کاغذ تیس جگہ سے چھید یافتہ ہو چکا تھا، چنانچہ میں نے اپنی سیکریٹری صاحبہ کو ہدایات دیں کہ ان صاحب کو جوابی خط لکھ دیا جائے، لیکن لفافہ تقریباً پندرہ جگہ سے پنچ کر کے پوسٹ کیا جائے، تا کہ ان صاحب کو بھی احساس ہو سکے کہ ان کا خط کن جتنوں سے کھولا گیا اور پڑھنے میں کس قدر خوش گواری محسوس ہوئی۔ آپ کے خیال میں میں نے بُرا تو نہیں کیا، اگر بُرا کیا ہے تو میں ان سے ہی نہیں، آپ سب سے بھی معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں، آپ کی طرف سے بھی ایسا لفافہ ملنے پر معافی مانگ لوں گا، بے فکر رہیں۔

اشتیاق احمد

واپسی غارت

سڑک پر کھڑے شخص کی بات سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ ایک تفریحی مقام سے لوٹ رہے تھے۔ اس غرض کے لیے خان رحمان کی بڑی کار کام میں لائی گئی تھی۔ اس میں وہ سب آ جاتے تھے۔ پروفیسر داؤد اور شائستہ بھی ساتھ تھے اور حامد، سرور اور ناز بھی۔ بس اگر ساتھ نہیں تھیں تو بیگم جمشید اور شہناز بیگم۔ انہیں ان لوگوں کے ساتھ تفریحی مقامات پر جاتے ہوئے ہول آتا تھا، کیونکہ پہلے ہی یہ اندازہ لگا لیا جاتا کہ اس تفریحی مقام پر ضرور انہیں کوئی کیس پیش آ جائے گا اور پھر تفریحی پروگرام دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ اب یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس بار انہیں تفریحی مقام پر کوئی کیس پیش نہ آیا اور وہ اپنے پروگرام کے مطابق دن گزار کر آج واپس لوٹ رہے تھے۔ ان کا سفر ابھی کئی گھنٹے کا باقی تھا کہ اچانک سڑک کے کنارے ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس نے کار کو روکنے کے لیے ہاتھ اٹھا رکھا تھا۔ کار اس وقت خان رحمان چلا رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید کی طرف منہ کر کے بولے:

''کیا خیال ہے جمشید، کار روک لوں؟''

''ہاں، شاید کوئی ضرورت مند ہے۔'' وہ بولے۔

''جب کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ کار ہرگز نہ روکی جائے۔ ہم خدا خدا کر کے اس بار تفریحی پروگرام سے لطف اندوز ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کہیں واپسی

اس سڑک پر کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ لیکن جب آپ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے تو پھر سب خطرے کی زد میں ہوں گے۔"

اس کے الفاظ نے ان کے جسموں میں سنسنی کی لہریں دوڑا دیں۔ محمود بے چین ہو کر بولا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ یہ باتیں کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میرے پیر کامل کا یہی کہنا ہے۔ انہوں نے کہا تھا، جامنی رنگ کی ایک بڑی کار آج اس سڑک پر سے گزرے گی۔ اس میں انسپکٹر جمشید نامی ایک صاحب بھی ہوں گے۔ ان کے لیے اس سڑک پر آگے جا کر خطرہ ہے، لہٰذا انہیں چاہیے، وہ یہیں سے واپس لوٹ جائیں۔" اس نے کہا۔

"آپ کا پیر کامل؟" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"جی ہاں، وہ اس صدی کے ولی ہیں۔"

"اور وہ کہاں ہیں؟"

"یہاں سے کافی فاصلے پر جنگل میں۔ عقیدت مند انہیں ہر وقت گھیرے رہتے ہیں۔ دور دور سے لوگ ان کے پاس آتے ہیں اور کوئی مایوس نہیں جاتا، لیکن اس قسم کا عجیب و غریب حکم انہوں نے پہلی بار دیا ہے۔ پہلے کبھی کسی شخص کے لیے ایسا نہیں فرمایا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"عجیب بات ہے، وہ تو واقعی پیر کامل معلوم ہوتے ہیں۔" پروفیسر داؤد کانپتی آواز میں بولے۔

"آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بھئی آخر انہیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ تم آج اس سڑک سے گزرو گے اور وہ بھی جامنی رنگ کی کار میں۔ اور یہ کہ کار میں اور لوگ بھی ہوں گے، انہیں اس

سڑک پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ صرف تمہیں خطرہ ہوگا۔ یہ باتیں تو کوئی پیر کامل ہی بتا سکتا ہے۔"

"میں اپنا فرض پورا کر چکا جناب، اب آپ جانیں، آپ کا کام۔" یہ کہہ کر وہ مڑنے لگا۔

"ارے ارے، ٹھہریے تو سہی، اس پیر کامل کے ہم بھی تو درشن کر لیں۔ واپس تو اب یہاں سے مڑنا ہی پڑے گا۔ کیوں نہ ان کی بھی زیارت کرتے چلیں۔" اچانک انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ آئیے، جو مانگیں گے، ملے گا اور پھر وہ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔"

"یہ تو سچے پیر کی نشانی ہے۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

انہوں نے کار سڑک سے نیچے اتار کر کھڑی کر دی۔ جنگل میں ہر طرف درخت ہی درخت تھے، اس لیے کار میں سفر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ کار سے اتر آئے اور اس کے ساتھ جنگل میں چلنے لگے۔ انہیں عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ اس قسم کے کسی معاملے سے ان کا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ وہ پیروں فقیروں کے قائل نہیں تھے۔ بس ایک خدا سے مانگنا جانتے تھے۔ جانتے تھے آج کل پیر فقیر بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ انہوں نے ڈھونگ رچایا ہوتا ہے، لیکن آج انہوں نے ایک ایسی بات سنی تھی کہ اس پیر کامل کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں کافی دیر تک چلنا پڑا۔ آخر گھنے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ اس جھنڈ میں ایک بہت اونچی قبر بنی تھی اور قبر پر سبز رنگ کا کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ قبر پر چاروں طرف اگر بتیاں سلگ رہی تھیں اور ان کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"دل کی آنکھوں سے دیکھیے۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ میرے پیر کامل کی آرام گاہ ہے۔ وہ اس قبر کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ اس دنیا سے مدت ہوئی، پردہ کر گئے ہیں، لیکن میرے لیے وہ آج بھی زندہ ہیں اور میرے ہی لیے نہیں، بے شمار لوگوں کے لیے بھی، جو یہاں چل کر آتے ہیں۔"

"سڑک کے کنارے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پیر نے میرے بارے میں ہدایات دی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ پیر کامل دنیا سے ضرور پردہ کر گئے ہیں، لیکن وہ آج بھی اسی طرح لوگوں کے کام آ رہے ہیں۔ اس قسم کی باتیں وہ مجھے خواب میں بتاتے ہیں، ورنہ آپ خود سوچیے، مجھے کس طرح معلوم ہو سکتا تھا کہ جامنی رنگ کی کار میں کوئی انسپکٹر جمشید یہاں سے گزرنے والے ہیں۔ آپ پر یہ خاص انعام بھی اس لیے کیا گیا کہ آپ مسلمانوں کے بہت خیر خواہ ہیں اور اس ملک کے لیے جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ یہ بات بھی پیر کامل نے خواب کی حالت میں بتائی تھی۔"

"ہوں، لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ یہاں بے شمار لوگ آتے رہتے ہیں، اس وقت تو یہاں کوئی بھی نہیں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، یہاں ضرورت دل کی آنکھوں کی ہے۔ جن لوگوں کے پاس دل کی آنکھیں نہ ہوں، وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس وقت بھی پیر کامل کے گرد کئی لوگ موجود ہیں، لیکن آپ انہیں دیکھ نہیں پا رہے۔ وہ کچھ بہت ہی خاص لوگ ہیں اور ہزاروں میل دور سے آئے ہیں۔ ان کی خاطر عام لوگوں کو یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے۔ ابھی جب یہ لوگ ملاقات کر کے فارغ ہو جائیں گے تو عام لوگ آپ لوگوں کو خود ہی آتے نظر آ جائیں گے۔"

"اور یہ ملاقات کب ختم ہوگی؟" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔ ان کی الجھن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"بس ختم ہونے کے قریب ہے۔" اس نے کہا، پھر چونک کر بولا:

"لیجیے، وہ لوگ جا رہے ہیں۔ پیر کامل کی مہربانی سے میری آنکھیں انہیں دیکھ رہی ہیں۔ اب اپنے چاروں طرف دیکھیے، کتنے عقیدت مند بڑھتے دکھائی دے رہے ہیں۔" اس نے پراسرار آواز میں کہا۔

انہوں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ چاروں طرف سے کفنوں میں لپٹے لوگ انہیں اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"یہ۔ یہ کیا، یہ تو مردے ہیں۔" خان رحمان تھر تھر کانپتی آواز میں بولے۔

"تو آپ لوگوں کا کیا خیال ہے، پیر کامل کے ملاقاتی زندگی لوگ ہوں گے۔ ابھی ابھی جو لوگ ملاقات کرنے آئے تھے، وہ بھی مردہ تھے۔ دور دراز کی قبروں سے اٹھ کر ملاقات کے لیے آئے تھے۔" اس نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" محمود لرزتی آواز میں بولا۔

"اور اگر تم لوگوں کو میری باتوں پر یقین نہیں آیا تو پھر ادھر دیکھو، میں بھی تو ایک مردہ ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا لمبا کوٹ اتار دیا۔ اب انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے کھڑا شخص بھی کفن پوش تھا۔

ان کی گھگھی بندھ گئی، تھر تھر کانپنے لگے۔ صرف انسپکٹر جمشید ایسے تھے، جو کانپ نہیں رہے تھے، پھر حامد، سرور، ناز اور شائستہ ایک دوسرے کے بعد تڑ تڑ گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ پروفیسر داؤد کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ خان رحمان سکتے کے عالم میں تھے۔ محمود فاروق اور فرزانہ کی بھی سٹی گم تھی۔

اتنے میں مردے نزدیک آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے نما چھڑیاں

تھیں۔ان چھڑیوں کو انہوں نے اٹھایا ہوا تھا، جیسے ان سے سب کی مرمت کرنا چاہتے ہوں، پھر جونہی وہ بالکل قریب آئے، ان چھڑیوں سے سفید سفید دھواں پھوٹ نکلا۔ انہیں ایک زوردار چکر آیا۔اور وہ گرتے چلے گئے۔

☆☆☆

آخری جملہ

ہوش آیا تو اسی جگہ پڑے تھے۔اب نہ وہاں کوئی قبر تھی، نہ وہ شخص اور نہ کفن پوش مردے۔وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔فاروق چلایا:

''ارے، وہ قبر کہاں گئی؟''

''مصنوعی قبر تھی، اسے غائب ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔'' انسپکٹر جمشید کپڑے جھاڑتے ہوئے بولے۔

''کک، کیا مطلب، مصنوعی قبر؟''

''ہاں بھئی، مٹی کے ڈھیلوں اور شاخوں کو قبر کی صورت میں بچھا کر اوپر سبز کپڑا منڈھ دیا گیا تھا۔''

''لیکن یہ سب کیا تھا؟''

''بھئی سیدھی سی بات ہے، وہ لوگ ٹھگ تھے۔ہمیں ٹھگ کر چلے گئے۔''

''جی، ٹھگ تھے؟'' محمود بوکھلا کر بولا۔

انہوں نے جلدی جلدی اپنی اپنی جیبوں کا جائزہ لیا اور پھر انہیں انسپکٹر جمشید کی بات پر ہی یقین کرنا پڑا۔ان میں سے کسی کی جیب میں بھی کوئی پیسہ نہیں چھوڑا گیا تھا، گویا وہ سب کچھ لے کر چلتے بنے تھے۔

آخر کپڑے جھاڑ کر سڑک کے کنارے کی طرف چلنے لگے۔ایک اور دھچکا

انہیں اس وقت لگا، جب کار نظر نہ آئی۔

"لو بھئی، وہ تو کار بھی لے گئے۔ کار کی ڈگی میں ہمارا سامان بھی تھا۔ نقدی بھی اور چیک بکیں بھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"عجیب ستم ظریف ٹھگ تھے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"اف خدا، اب ہم شہر کس طرح جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو، اللہ کوئی نہ کوئی بندوبست کر دے گا۔"

آخر ایک لاری میں بیٹھ کر وہ شہر پہنچے۔ شہناز بیگم کو بیگم جمشید کے پاس چھوڑ کر گئے تھے، لہٰذا پہلے ادھر کا ہی رخ کیا گیا، لیکن یہ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا کہ دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔

"ارے، ٹھگ تو شاید یہاں بھی پہنچ گئے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

اور انسپکٹر جمشید جلدی سے بیگم شیرازی کے دروازے کی طرف بڑھے۔ گھنٹی کی آواز کے جواب میں ان کی صورت دکھائی دی۔ انہیں دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں:

"ہائیں، آپ لوگ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"کیا آپ کے خیال میں ہمیں کچھ ہو چکا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر اپنے جسم کو ٹٹولا۔

"دو آدمی آئے تھے، انہوں نے بتایا تھا، آپ کی کار کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ثبوت کے طور پر وہ آپ کی کئی چیزیں لائے تھے، لہٰذا بہن شکیلا اور شہناز ان کے ساتھ چلی گئیں۔"

"کیا کہا، ساتھ چلی گئیں؟" انسپکٹر جمشید نے چیخ کر کہا۔

"جی، جی ہاں۔"

"اف خدا، یہ کیا ہوا۔ یہ ان ٹھگوں نے کیا کیا۔ انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر جمشید تھرتھر کانپتی آواز میں بولے:

"ٹھ، ٹھگوں نے، کیا مطلب؟" بیگم شیرازی گھبرا کر بولیں۔

"ٹھہریے، ہم ابھی بتاتے ہیں آپ کو ساری بات۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اپنے دروازے پر پہنچے اور اپنی چابی سے تالا کھول ڈالا۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے، فون کی گھنٹی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ وہ جلدی سے فون کی طرف لپکے اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"تو آپ گھر پہنچ چکے ہیں۔" اسی آدمی کی آواز کانوں سے ٹکرائی جو سڑک کے کنارے ملا تھا۔

"ہاں، پہنچ چکے ہیں۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اب جلدی بتاؤ، چاہتے کیا ہو۔"

"اتنی جلدی کی بھی کیا ضرورت ہے، بتا دوں گا۔ ذرا بیٹھ کر دم تو لے لیں اور یہ تو سوچ لیں کہ آپ کے ساتھ ہوا کیا ہے۔"

"جو کچھ ہوا ہے، اس کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے معلوم ہی ہے۔" انہوں نے الجھ کر کہا۔

"ابھی اچھی طرح اندازہ نہیں لگا سکے آپ۔ جب اندازہ لگا لیں گے تو زمین پاؤں کے نیچے سے نکلتی محسوس ہوگی۔ یہ معاملہ صرف دو بیگمات کا معاملہ نہیں ہے۔"

"تت، تو پھر۔"

''اپنے گھر کا جائزہ لے لیں۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے گھر کا بھی
اور اس کے بعد میں فون کروں گا۔''

انسپکٹر جمشید نے جلدی سے ریسیور پٹخا۔ اور تجوری کی طرف بڑھے۔ بلا کی تیزی سے انہوں نے تجوری کو کھول ڈالا۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نقدی اور زیورات کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی، پروا تھی تو ان کاغذات کی، جو حد درجے اہم تھے۔ وہ تمام کاغذات غائب تھے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

''حوصلہ کرو جمشید، حوصلہ۔'' خان رحمان آگے بڑھے۔

''آپ دونوں بھی اپنے اپنے گھروں کا جائزہ لے آئیں۔ جلدی کریں۔'' انہوں نے کہا۔

''کیا مطلب، معاملہ کارے گھروں تک پہنچا ہوا ہے۔'' خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

''مجھے تمہارے گھر کی فکر نہیں خان رحمان، پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ کی فکر ہے، کہیں وہ ضروری ایجادات نہ لے اڑے ہوں۔''

''ارے باپ رے۔'' پروفیسر داؤد کانپ کر بولے اور پھر وہ دونوں انسپکٹر جمشید کی کار میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ باقی چیزوں کا جائزہ لینے لگے، لیکن تمام اہم چیزیں غائب پائی گئیں۔ مجرموں نے نہایت اطمینان سے صفائی کی تھی اور کیوں نہ کرتے انہیں وقت بھی بہت ملا تھا۔ بیگم جمشید اور شہناز بیگم کو یہاں سے لے جاتے ہی انہوں نے گھروں کی چابیوں پر قبضہ کر لیا ہو گا اور کئی آدمی ہر گھر کی طرف روانہ کر دیے ہوں گے پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی چابیاں ان کے سامان میں سے مل گئی ہوں گی۔

''میری زندگی کا سب سے سنسنی خیز ڈاکا، جو دن دہاڑے نہایت اطمینان

سے ڈالا گیا۔''

''اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ آپ لوگوں نے میری بات نہ مانی۔ میں نے کہا تھا، کار نہ روکیں۔'' فاروق بڑبڑایا۔

''ہونی ہو کر رہتی ہے۔''

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف خان رحمان کہہ رہے تھے:

''جمشید، میں بھی مکمل طور پر لٹ گیا ہوں، ظہور اور اس کی بیوی بھی گھر سے غائب ہیں، گویا وہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے گئے ہیں۔''

''اوہ، تم یہیں آ جاؤ۔'' انہوں نے منہ سے کراہ کی آواز نکالی۔

ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی پھر بجی۔

''یہ پروفیسر صاحب ہوں گے، خدا خیر کرے۔'' وہ بولے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

''جمشید، کئی اہم ایجادات کے فارمولے غائب ہیں۔ صرف وہ باقی بچے ہیں جو نظر نہ آنے والی تحریر میں میں نے محفوظ کیے ہیں۔''

''اف خدا، اچھا۔ آپ بھی یہیں آ جائیے۔''

''آ رہا ہوں۔'' وہ بولے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب سر جوڑے بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے، اب کیا کیا جائے۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اسی آدمی کی آواز سنائی دی۔

''آپ لوگ اپنے گھروں کا جائزہ لے چکے۔''

''ہاں لے چکے، اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''آپ لوگوں کے چار ساتھی، نقدی، زیورات اور ضروری ضروری کاغذات، سب چیزیں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید

نے فون میں لگا ایک بٹن دبا دیا، پھر بولے:

"ہاں تو پھر۔"

"اب میں کسی اور جگہ سے فون کروں گا، کیونکہ اس وقت تک آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کر چکے ہوں گے کہ میں فون کہاں سے کر رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیوں جمشید، کیا ہوا؟"

"وہ بہت چالاک ہے، سمجھ گیا کہ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ فون کہاں سے کیا جا رہا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک نمبر گھمایا اور بولے:

"مجھ سے کس نمبر سے بات کی جا رہی تھی۔"

"شمالی علاقے کے ایک پبلک فون بوتھ سے۔"

"شکریہ۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

آدھ گھنٹے بعد پھر فون کی گھنٹی بجی، وہی آواز سنائی دی:

"اس بار اگر آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کریں کہ فون کہاں سے کیا جا رہا ہے تو میں بات مکمل کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، کرو۔" وہ بولے۔

"کیا آپ اپنے چاروں آدمی اور تمام چیزیں بحفاظت تمام واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"بھلا میں ایسا کیوں نہ چاہوں گا۔"

"تو پھر وزیر خارجہ صاحب کو یہاں بلا لیں اور میری ان سے بات کرا دیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"مطلب بعد میں معلوم ہوگا۔ پہلے تو یہ کام کیجیے۔ آدھ گھنٹا بعد میں پھر فون کروں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"کوئی بہت ہی ستم ظریف شخص ہے۔" وہ بڑبڑائے اور فون پر وزیر خارجہ کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ پانچ منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر ان سے رابطہ قائم ہوا۔

"ہیلو سر، میں اور میرے دوست ایک الجھن میں گرفتار ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب، جمشید تم اور الجھن میں۔" وہ حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں۔" یہ کہہ کر انہوں نے تفصیل سنا دی، پھر بولے:

"مجرم یہ چاہتا ہے کہ آپ میرے ہاں آ کر فون پر اس کی بات سن لیں۔"

"اوہ، اچھا۔ میں آ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد وزیر خارجہ وہاں موجود تھے اور اس کے تین منٹ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ آواز سنائی دی:

"ٹھیک ہے مسٹر جمشید، ہم جانتے ہیں، وزیر خارجہ آ گئے ہیں۔ آپ ریسیور انہیں دے دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور ریسیور ان کی طرف بڑھا دیا۔ ساتھ ہی ریسیور میں لگا ایک دوسرا بٹن دبا دیا۔ ریسیور سے آواز نکل کر کمرے میں گونجنے لگی۔ وہ شخص کہہ رہا تھا:

"ہیلو، تو آپ ہیں اس ملک کے وزیر خارجہ۔ آپ یہ تو معلوم کر ہی چکے ہوں گے۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے دوست اس وقت کس صورت حال سے دوچار ہیں، لہٰذا آپ ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

"وہ سب کچھ، جو میرے اختیار میں ہو۔"

"تو پھر سنیے، آج شام آپ کے دوست ملک کے صدر اور ان کے مشیر آپ کے ہاں پہنچ رہے ہیں۔ ان کی اپنے ملک سے روانگی اب سے ٹھیک دو گھنٹے بعد ہوگی۔ صدر صاحب کو فون کر دیں، وہ آپ کے ہاں نہ آئیں۔"

"کیا کہا، یہاں نہ آئیں، لیکن کیوں، آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

"بس چاہتے ہیں۔ آپ نے اگر ان کا دورہ رکوا دیا تو ہم ان لوگوں کے ساتھیوں کو رہا کر دیں گے اور تمام چیزیں واپس لوٹا دیں گے اور اگر دورہ نہ رکا تو ان چاروں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور چیزیں دشمن ملک کے حوالے کر دی جائیں گی، یعنی کاغذات اور ایجادات، نقدی اور زیورات تو ہمارے اپنے کام آئیں گے۔" دوسری طرف سے جلدی جلدی کہا گیا۔

"میں ایک بار پھر یہی پوچھوں گا، آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟" وزیر خارجہ بولے۔

"میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔ جواب ہاں یا نہ میں دے دیجیے گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ وزیر خارجہ نے بھی ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"اغوا کنندگان کا مطالبہ بہت عجیب ہے۔ دوست ملک کے صدر اور ان کے مشیر اس وقت روانہ ہونے کی تیاری کر چکے ہوں گے۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد پرواز کرنے والے ہیں۔ اب ہم انہیں کس طرح روکیں، کیا کہہ کر روکیں۔ اس معاملے میں تو صرف صدر مملکت ہی کچھ کر سکتے ہیں۔"

"تب پھر چلیے، ہم ان کے پاس چلتے ہیں۔" پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

"ہاں ضرور، یہی کرنا ہوگا۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تین کاروں کا قافلہ ایوان صدر پہنچا۔ صدر صاحب تک پہنچنے میں انہیں چند منٹ لگے۔ انہوں نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور بولے:

"خیریت نظر نہیں آتی۔"

"جی ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ جمشید، تم وضاحت کرو۔" وزیر خارجہ بولے۔

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور واقعات دہرانے لگے۔ صدر صاحب کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار گہرے ہو گئے اور جب انہوں نے مجرموں کا مطالبہ سنا تو پریشان ہو اٹھے اور بولے:

"اف خدا، میں یہ کیا سن رہا ہوں۔"

"خیر تو ہے سر، کیا کوئی بہت پریشانی والی بات ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس ملک کے صدر پہلی بار ہمارے ہاں آ رہے ہیں۔ آپ لوگ جانتے ہی ہیں، دونوں ملکوں کے تعلقات ایک مدت بعد دوستانہ ہوئے ہیں۔ بہت عرصے سے رنجش چلی آ رہی تھی۔ اب اگر میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنا دورہ ملتوی کر دیں، تو یہ بہت غلط بات ہوگی، کیونکہ ان کی روانگی میں بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ تمام ملکوں کو اس دورے کی اطلاع ہے۔ اخبارات خبریں شائع کر چکے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں سے اعلانات نشر کیے جا چکے ہیں۔ ایسے میں اگر اچانک دورہ ملتوی کر دیا گیا تو طرح طرح کی افواہیں اڑیں گی۔ خاص طور پر مہمان آنے والے صدر دوستی کے لیے بڑھایا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیں گے۔ وہ صرف اور صرف یہ خیال کریں گے کہ کسی بڑی طاقت کے دباؤ میں آ کر میں ان کا دورہ منسوخ کرا رہا

ہوں۔نہیں جمشید، میں یہ نہیں کرسکتا۔ مجھے افسوس ہے۔''

ان کا آخری جملہ ان سب کے لیے انتہائی سنسنی خیز تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔

☆☆☆

ناجم

چند لمحے تک موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا:

''آپ نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے جناب اعلیٰ، ان حالات میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ کیا بھی تو نہیں جاسکتا۔ ہمیں آپ پر فخر کرنا چاہیے۔ ہمیں ملک اور قوم کا مفاد ہر حال میں عزیز ہونا چاہیے۔ چند زندگیاں، چند سائنسی تجربات، چند سرکاری راز کے لیے پوری قوم اور پورے ملک کو ایک دوست ملک سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔'' ان کی آواز جذبات سے بھاری ہو رہی تھی۔

''لیکن جمشید، اب تم کیا کرو گے۔ ان سب باتوں کے باوجود مجھے تمہاری ساتھی، تجربات اور سرکاری راز بھی بہت عزیز ہیں۔ ان کا کیا ہوگا۔''

''یہاں سے ہمارا کام شروع ہوتا ہے جناب اعلیٰ۔ مجرم اپنا جال پھیلا چکے، اپنا داؤ کھیل چکے، اب ہماری باری ہے۔ اب ہمیں اجازت دیجیے، کیونکہ وقت بہت کم ہے اور کام زیادہ۔''

''اچھا، میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کروں گا۔'' انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔

وہ ایوان صدر سے باہر نکلے۔

’’فرزانہ، تم کیا کہتی ہو؟‘‘ انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

’’میں ترکیب سوچ چکی ہوں ابا جان۔‘‘

’’جلدی بتاؤ۔‘‘

’’شہر بھر کے تمام پبلک بوتھوں کے سامنے ایک ایک سادہ لباس والا موجود ہونا چاہیے۔ مجرم کے فون کا نمبر ہمیں معلوم ہے۔ اس وقت جتنے شخص بھی کسی پبلک فون بوتھ سے فون کریں، انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ ان میں ایک مجرموں کا ساتھی ہوگا۔‘‘

’’ترکیب اچھی ہے۔ اس کے سوا ہم کچھ کر بھی تو نہیں سکتے، لیکن خطرہ اس میں یہ ہے کہ مجرم کے ساتھیوں کو خبر ہو جائے گی۔ اور وہ ہمارے ساتھیوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔‘‘ محمود بولا۔

’’ہم جن حالات کا شکار ہیں، ان حالات میں خطرہ مول لیے بغیر کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔‘‘ فاروق نے کہا۔

’’ہاں یہ ٹھیک ہے۔ فرزانہ کی ہی ترکیب پر عمل کرنا پڑے گا۔ کم از کم اس طرح ایک آدمی تو ہمارے ہاتھ لگے گا۔‘‘

’’لیکن آپ فون پر مجرم سے کیا کہیں گے۔ یہ پہلے سے سوچ لیں۔ کم از کم آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ دورہ ملتوی نہیں کرایا جا سکتا۔‘‘

’’ہاں، یہ تو کسی صورت میں بھی نہیں کہا جا سکتا۔ تم فکر نہ کرو، میں اس سے بات کر لوں گا۔ پہلے تو محکمہ فون کے ڈائریکٹر سے بات کر لوں اور ادھر اکرام اور سادہ لباس والوں کو تیار رہنے کی ہدایات دے دوں۔‘‘

’’ابا جان، میری اس موقعے پر ایک خواہش ہے۔‘‘ محمود بول اُٹھا۔

’’جلدی بتاؤ۔‘‘

’’ہم بھی ایک ایک فون بوتھ کے سامنے موجود رہیں گے۔‘‘

’’اور میں بھی۔‘‘ خان رحمان بول اٹھے۔

’’ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ حامد، سرور، ناز، شائستہ اور پروفیسر صاحب میرے ساتھ رہیں گے۔ مجھے فون پر جواب دینے کے لیے گھر میں رہنا ہوگا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘

اور انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے۔

صرف پندرہ منٹ بعد پبلک فون بوتھوں کی فہرست انہیں مل گئی۔ مجرم کے بتائے ہوئے وقت سے بھی سب کو خبردار کر دیا گیا۔ اس وقت کی جانے والی بات چیت ٹیپ کرنے کے انتظامات بھی کر لیے گئے۔ انہوں نے چار فون بوتھ اپنے لیے منتخب کیے اور باقی فہرست اکرام کے حوالے کی۔ انسپکٹر جمشید وغیرہ گھر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے اپنے فون بوتھ کی طرف رخصت ہوتے وقت فاروق بولا:

’’یہاں سے ہمارے راستے الگ الگ ہوتے ہیں۔ خدا ہم میں سے کسی ایک کو ضرور کامیاب کرے۔‘‘

ان چاروں نے اپنے لیے قریب قریب کے فون بوتھ منتخب کیے تھے، تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً یکجا ہو سکیں۔ انسپکٹر جمشید پروفیسر داؤد اور بچوں کو لے کر گھر پہنچے۔

’’جمشید، میں ابھی تک اس الجھن میں ہوں کہ تم اسے فون پر کیا کہو گے۔‘‘

’’میں بھی ابھی تک نہیں سوچ سکا کہ کیا کہنا چاہیے۔‘‘

’’ایک گھنٹا پورا ہونے میں صرف بیس منٹ باقی ہیں۔‘‘ پروفیسر داؤد نے گویا خبردار کیا۔

"جی ہاں، میں جانتا ہوں۔" وہ بولے۔

وہ فون کے گرد بیٹھ گئے۔ ہر کوئی سوچ میں گم ہو گیا۔ اس وقت شہر کے ہر پبلک فون بوتھ کے پاس ایک سادہ لباس والا ضرور موجود تھا۔ صرف چار ایسے فون بوتھ تھے، جن کے پاس محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان موجود تھے۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا، ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ اچانک پروفیسر داؤد بولے۔

"جمشید، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مجرم اس مرتبہ کسی پبلک فون بوتھ سے فون نہ کرے، بلکہ کسی اور جگہ سے یا کسی گھر سے فون کرے۔"

"جی ہاں، اس کا بھی امکان ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں، مجرم جس جگہ سے بھی فون کرے گا، وہ فون نمبر ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ یہ بات مجرم بھی جانتا ہے۔ اس لیے اسے پبلک فون بوتھ ہی کا سہارا لینا ہوگا۔"

"لیکن جمشید، یہ بھی سوچو، مجرم کو بھی معلوم ہے کہ ہم یہ اندازے لگالیں گے، کیا وہ اس صورت میں بھی کسی پبلک فون بوتھ میں داخل ہونے کی جرأت کرے گا۔"

"فون تو اسے کرنا ہی ہوگا، ورنہ وہ کس طرح معلوم کر سکے گا کہ ہم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

"اور اسے معلوم ہوگا کہ اس طرح اس کی گرفتاری کا خطرہ ہے۔ تو کیا وہ کوئی حفاظتی اقدام نہیں کر چکا ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن ہم مجبور ہیں، ہم کچھ بھی تو نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو کر چکے ہیں۔"

ابھی تین منٹ پورے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے چونک کر گھڑی دیکھی اور بول اٹھے:

"ابھی تو دس منٹ باقی ہیں۔ یہ فون اس کا تو نہیں ہو سکتا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور اٹھا لیا اور بولے:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔" انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"یہ میں ہوں ابا جان۔" دوسری طرف سے محمود کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے محمود، تمہیں اس وقت فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔" انہوں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ایک بات کا خیال آ گیا تھا ابا جان، میرا خیال ہے، مجرم بتائے ہوئے وقت سے پہلے یا بعد میں فون کرے گا۔"

"کوئی بات نہیں، بتائے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ پہلے اور بعد تک سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے۔ میں ہدایات دے چکا ہوں۔"

"اچھا خدا حافظ۔" اس نے کہا۔

"خدا حافظ۔" وہ بولے اور ریسیور رکھ دیا۔

اب ایک ایک لمحہ بے چینی کا لمحہ تھا۔ ان کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ آخر ٹھیک وقت پر فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔ اسی وقت پروفیسر داؤد بولے:

"جمشید، کیا تم جواب سوچ چکے ہو؟"

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا اور ریسیور میں بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں، آپ کون ہیں؟"

"وہی، جس کے فون کا آپ کو بہت بے چینی سے انتظار تھا۔ ہاں تو کیا طے ہوا؟"

"فرض کیا، میں دورہ رکوا دوں، تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ

ہمارے ساتھیوں کو رہا کریں گے اور ہماری چیزیں لوٹا دیں گے۔"

"کوئی گارنٹی نہیں، آپ کو ہم پر بھروسا کرنا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے، فیصلہ ہو چکا ہے، ہم اپنے ساتھیوں کو لینے کہاں آئیں۔"

"ابھی نہیں، دو گھنٹے بعد آپ کے ساتھی خود ہی آپ تک پہنچ جائیں گے۔ آپ لوگوں کی چیزیں ان کے ساتھ ہوں گی، فکر نہ کریں۔"

"بہت بہتر، شکریہ۔" وہ بولے۔

"آپ کا بھی شکریہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور ریسیور رکھ دیا گیا۔

"جمشید، تم نے کمال کر دیا۔ تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے صاف بچا گئے۔"

"یہی میں چاہتا تھا کہ جھوٹ نہ بولوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا، پھر بولے:

"اب دیکھیے، فون بوتھوں کی طرف سے کیا رپورٹ ملتی ہے۔"

انہوں نے کہا اور بے چینی سے فون کی گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگے۔

☆☆

وقت ہو چکا تھا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان میں سے کسی کے فون بوتھ میں کوئی شخص داخل نہ ہوا تو وہ مایوس ہو گئے۔ اچانک محمود کے کانوں سے ایک چیخ کی آواز ٹکرائی۔ وہ آواز کی سمت میں بھاگ نکلا۔ جلد ہی اس نے ایک شخص کو دوڑ کر آتے دیکھا۔ دور، کافی فاصلے پر ایک شخص اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر بیٹھتا نظر آیا۔ محمود نے خون کی جھلک بھی دیکھ لی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ اچانک دوڑتے آدمی کی سیدھ میں آ گیا۔ دوڑنے والا ٹھٹکا۔ ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ جیب سے نکلا اور محمود سڑک پر لڑھک گیا۔ ساتھ ہی ایک فائر ہوا اور وہ شخص محمود کے پاس سے نکلا چلا

گیا۔ فائر کی آواز فاروق کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے آواز کی سمت میں دوڑ لگا دی۔ مجرم نے اسے دور سے ہی دیکھ لیا اور ایک فائر اس کی طرف جھونک مارا۔ فاروق فوراً نیچے گرا اور لڑھکتا چلا گیا۔ اس مرتبہ فائر کی آواز فرزانہ نے سنی۔ فرزانہ نے بھی آواز کی سمت رخ کر لیا۔ اس نے دور سے ہی اس شخص کو دیکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا، لہٰذا اس کی طرف دوڑنا خطرناک تھا، چنانچہ وہ خان رحمان کی طرف دوڑ پڑی۔ خان رحمان ابھی تک پبلک فون بوتھ کے سامنے موجود تھے۔ اور فائرنگ کی آوازوں پر حیران پریشان کھڑے تھے کہ فرزانہ کو آتے دیکھا۔

"انکل، اس طرف چلیے، مجرم آ رہا ہے۔ اس کے پاس پستول ہے۔ وہ فائرنگ کر رہا ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اب دونوں اس کی طرف دوڑے، جوں ہی مجرم نظر پڑا، خان رحمان نے فائر کر دیا، لیکن فاصلہ زیادہ تھا، گولی مجرم تک پہنچ نہ سکی، تاہم مجرم اب اس سمت میں دوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس نے فوراً اپنا رخ تبدیل کر لیا اور سرپٹ دوڑ پڑا۔ دونوں نے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اچانک وہ دھڑام سے گرا، نہ جانے کس کونے سے نکل کر فاروق نے اپنی ٹانگ آگے کر دی تھی۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ فاروق نے بلا کی رفتار سے پستول والے ہاتھ پر دونوں ہاتھ جما دیے۔ اس نے زور لگا کر ہاتھ فاروق کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔ لیکن اس وقت تک فاروق اوپر کی طرف زور لگا چکا تھا، لہٰذا گولی اوپر کی طرف چل گئی۔ اب گزرنے والے بے شمار لوگ دور دور سے اس خونی لڑائی کو دیکھ رہے تھے اور پھر محمود، فرزانہ اور خان رحمان وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر مجرم کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔

جلد ہی سادہ لباس والے وہاں پہنچ گئے اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔

''کوئی فائدہ نہیں۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''کس بات کا کوئی فائدہ نہیں؟'' محمود نے اسے گھورا۔

''مجھے گرفتار کرنے کا۔ مجھے تو تم لوگوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''وہ کیوں، ہمیں ایسی کون سی مجبوری ہے۔'' فاروق کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

''تم لوگوں نے میری گرفتاری کا پروگرام تو بنالیا۔ ترکیب بھی بہت اچھی سوچ لی، لیکن یہ نہ سوچا، ہم لوگ پہلے ہی ان تمام باتوں کا جائزہ لے چکے ہوں گے۔''

''بتاؤ تو سہی، تم کیا تدبیر کر چکے ہو۔'' فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''سنو، تم لوگوں کا جواب فون پر صرف میں نے سنا ہے۔ میرے ساتھیوں نے نہیں۔ اب اگر میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس نہیں جاؤں گا تو وہ تمہارے ساتھیوں کو جان سے مار ڈالیں گے اور اس ٹھکانے کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔''

''اوہ۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور وہ سوچ میں گم ہو گئے۔

صورت حال پیچیدہ ہو گئی تھی۔ ان حالات میں تو واقعی اسے گرفتار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ آخر انسپکٹر جمشید کو فون کیا گیا۔ وہ فوراً موقعے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے گرفتار شدہ آدمی کا بغور جائزہ لیا۔ صورت حال کا جائزہ لیا اور آخر بولے:

''ٹھیک ہے، اسے چھوڑ دیا جائے۔''

''ایسے نہیں۔'' مجرم مسکرایا۔

''تو پھر کس طرح؟'' وہ بھنا کر بولے۔

''کوئی میرا تعاقب نہ کرے، مجھے ایک موٹر سائیکل بھی دیا جائے۔ میں اسے کسی سڑک پر چھوڑ دوں گا۔ اگر میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی گئی تو میں اس جگہ کا

رُخ ہرگز نہیں کروں گا، جس جگہ میرے ساتھی موجود ہیں اور تمہارے ساتھی بھی وہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔ تمہارا تعاقب ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ ٹھہرو، میں تمہارے لیے ایک موٹر سائیکل کا انتظام کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ مُڑے اور چلنے کے لیے قدم اٹھایا، لیکن اسی وقت مجرم نے کہا:

''کوئی چالاکی نہ کرنا انسپکٹر۔ ورنہ نقصان میں رہو گے۔''

''موٹر سائیکل کا بندوبست کرنے چلا ہوں۔'' وہ بولے اور ایک سادہ لباس والے تک گئے، اسے چند ہدایات دیں اور پھر واپس آ گئے۔

''چند منٹ تک بندوبست ہو جائے گا۔''

''شکریہ، یہ ہوئی نا بات۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر پانچ منٹ بعد ایک موٹر سائیکل وہاں لائی گئی۔ مجرم کو اشارا کیا گیا کہ موٹر سائیکل سنبھال لے۔ وہ آگے بڑھا اور اس پر بیٹھ گیا۔

''خیال رہے، تم موٹر سائیکل کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔''

''اچھا، خیال رہے گا۔'' اس نے لاپروائی کے انداز میں کہا اور موٹر سائیکل ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

''تو کیا، اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔'' محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

''ضرور کیا جائے گا، لیکن ذرا دوسرے طریقے سے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''دوسرے طریقے سے، ذرا ہم بھی تو سنیں۔ دوسرا طریقہ کیا ہے۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''موٹر سائیکل پر ایک پوشیدہ جگہ بٹن نما ایک آلہ چپکا دیا گیا ہے۔ اس موٹر

سائیکل سے ایک میل کے فاصلے پر ایک کار میں ایک اور آلہ موجود ہے۔ اس آلے پر اس موٹر سائیکل کی سمت معلوم ہوتی رہے گی اور اس طرح ہم جان لیں گے کہ مجرم نے موٹر سائیکل کہاں چھوڑا اور یہ کہ کہاں کہاں لے گیا۔"

"لیکن ابا جان، اس طرح بھی تو ہم مجرموں کے ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ کسی بھی سڑک کے کنارے موٹر سائیکل روک دے گا اور وہاں سے پیدل یا کسی ٹیکسی کے ذریعے اپنے ٹھکانے پر چلا جائے گا۔"

"لیکن ہم اس سے زیادہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے۔" وہ بولے۔

"خیر، دیکھا جائے گا۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

آدھ گھنٹے بعد انہیں اطلاع ملی کہ موٹر سائیکل راج نگر کی تیسری سڑک پر ملا ہے۔ اس وقت تک اکرام بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے اسے چند ہدایات دیں اور خود راج نگر کی تیسری سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔ موٹر سائیکل سڑک سے نیچے کھڑا تھا۔ سفید رنگ کی ایک کار اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس میں بیٹھا ہوا آدمی انہیں دیکھ کر فوراً نیچے اترا اور ان کی طرف آیا۔

"آپ نے اسے جاتے تو نہیں دیکھا ہو گا۔"

"جی نہیں، ہدایات یہی تھیں کہ تعاقب اس آلے کی مدد سے کیا جائے گا، دیکھ کر نہیں۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ آپ کے یہاں پہنچنے کے بعد کسی نے موٹر سائیکل کے نزدیک آنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"جی نہیں، کسی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔"

چند منٹ بعد اکرام نشانات کے ماہرین کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔

"اس موٹر سائیکل پر سے انگلیوں کے نشانات بہت احتیاط سے اٹھانے

ہیں۔ اکرام تم ریکارڈ ساتھ لے آئے ہو۔"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم یہیں یعنی کار میں بیٹھ کر ریکارڈ سے مجرم کی انگلیوں کے نشانات کو ملائیں گے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ میک اپ میں تھا۔ خیر کم از کم اس کی انگلیوں پر دستانے نہیں تھے۔"

بہت تیزی سے نشانات ابھارے گئے، پھر وہ لوگ ریکارڈ کو لے کر بیٹھ گئے۔ آخر دس منٹ بعد ریکارڈ میں موجود ایک شخص کی انگلیوں کے نشانات سے موٹر سائیکل پر پائے جانے والے نشانات مل گئے۔

"ارجن ناگی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے: "تو یہ نام ہے اس کا۔ اکرام، ذرا جلدی سے اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"جی بہتر۔ یہ شخص پہلے معمولی چور اچکا تھا، پھر اس نے کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ مل کر ایک بینک میں ڈاکا ڈالا۔ اس کے بعد کئی بڑی وارداتوں میں اس کا نام سننے میں آیا اور آخر بینک لوٹتے وقت گرفتار ہوا۔ نو سال کی سزا ہوئی۔ شاید اب یہ پھر آزاد ہے۔"

"اس کا کوئی پتا نشان۔ یہ کہاں اٹھا بیٹھا کرتا تھا۔"

"ہوٹل الفان اس کا خاص ٹھکانا تھا۔"

"ہوٹل الفان، وہی جس کا منیجر بہت کٹ کٹا ہے۔ بات بات پر لوگوں کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی ہاں، بالکل وہی۔"

"آؤ بھئی چلیں" انہوں نے کہا اور جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

''جمشید، کیا تمہارا خیال ہے، ارجن ناگی قید کی زندگی گزارنے کے بعد بھی وہیں اٹھتا بیٹھتا ہوگا۔''

''ہاں، میرا یہی خیال ہے، کیونکہ اس قسم کے لوگ اپنے پرانے ٹھکانے نہیں چھوڑتے۔ یوں بھی ہم ہوٹل الفان جانے کے علاوہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔''

''ادھر ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ مہمان صدر تقریباً سوا گھنٹے بعد اپنے ملک سے روانہ ہو جائیں گے۔ ان کا ہوائی سفر تقریباً تین گھنٹے کا ہے، گویا ان کے یہاں آنے میں چار گھنٹے باقی ہیں۔ تقریباً دو گھنٹے پہلے ان کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر مجرم فوراً یہ اندازہ لگالیں گے کہ ہم دورے کو رکوانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، لہٰذا اس سے پہلے پہلے ہمیں ان تک پہنچنا ہے۔'' محمود جلدی جلدی کہہ گیا۔

''ہاں، بالکل یہی بات ہے۔''

جیپ کی رفتار بہت تیز تھی۔ اچانک ایک ٹریفک سارجنٹ نے انہیں رکنے کا اشارا کر دیا، لیکن وہ بھلا کہاں رکتے، بڑھتے چلے گئے۔ سارجنٹ نے اپنا موٹر سائیکل ان کے تعاقب میں لگا دیا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید مسکرائے اور جیپ کی رفتار اور بڑھا دی۔ سارجنٹ انہیں رکنے کے لیے سیٹی پر سیٹی بجانے لگا۔

''ہمارے پاس اتنا وقت کہاں کہ رک سکیں۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

اور آخر وہ ہوٹل الفان کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے جیپ دوسری کاروں سے الگ کھڑی کر دی۔ اتنے میں سارجنٹ بھی موٹر سائیکل پر وہاں پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید بولے۔

''دیکھیے بھئی، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ چار بے گناہ انسانی جانیں بچانے کا معاملہ درپیش ہے۔ مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے ہوٹل

کے دروازے کی طرف قدم اٹھا دیے۔

''اوہ۔'' سارجنٹ دھک سے رہ گیا اور وہ ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ کاؤنٹر پر ایک سوکھے بدن والا لمبا سا آدمی اونچے اسٹول پر بیٹھا نظر آیا۔ ابھی اس نے ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہال میں بیٹھے ایک موٹے جسم والے گاہک کی طرف متوجہ تھا، کیونکہ موٹا آدمی بیرے سے جھگڑ رہا تھا۔

''ہیلو مائی، کیا حال ہیں۔''

کاؤنٹر کلرک اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے ان کی طرف دیکھا اور پھر تھرتھر کانپتی آواز میں بولا:

''ارے، یہ تو واقعی آپ ہیں۔ میں سمجھا تھا، میرے کان بجے ہیں، وہم ہو گیا ہے۔''

''تب تم سمجھ لو، تمہارے کان بجنا بھول گئے، وہم کی بیماری سے تمہارا پیچھا چھوٹ گیا۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''شش، شکریہ۔ تشریف رکھیے نا، آپ کھڑے کیوں ہیں۔'' اس نے کاؤنٹر کے پاس کی ایک میز کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی، میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔ میں تو بس مسٹر الفان سے ملنے آیا ہوں۔''

''مسٹر الفان سے؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں مسٹر الفان سے۔ کیوں، کیا ان سے میں نہیں مل سکتا؟''

''جی، ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

اچانک اس کی آواز موٹے اور بیرے کی آوازوں تلے دب گئی۔ موٹا اب اونچی آواز میں بول رہا تھا۔

"یہ ہوٹل ہے یا غنڈوں کا اکھاڑا۔ میں تم لوگوں کا ناطقہ بند کردوں گا۔"

"کیا بات ہے نمبر ۱۲۔" ہال میں ایک آواز ابھری۔ بیرے کا رنگ اڑ گیا، وہ فوراً آواز کی طرف مڑا۔ دوسرے بھی ادھر دیکھنے لگے۔ انہوں نے دیکھا، ایک طویل وعریض آدمی خونخوار چہرہ لیے چلا آرہا تھا۔

"جج جی۔ یہ صاحب جھگڑ رہے ہیں۔ کہتے ہیں، بل بہت زیادہ بنایا گیا ہے۔"

"کیا تم نے اسے ریٹ لسٹ نہیں دی تھی؟" لمبے آدمی نے پوچھا۔

"بالکل دی تھی جناب، اس وقت انہوں نے نہایت فخر سے ریٹ لسٹ کو پرے کردیا تھا۔"

"تب تو یہ انہی کی غلطی ہوئی۔ دیکھئے مسٹر، جو کچھ بھی آپ کا نام ہے، شرافت سے ہوٹل کا بل ادا کردیجیے اور چلتے پھرتے نظر آئیے، ورنہ......" اس کا چہرہ دھمکی آمیز ہوگیا۔

"ورنہ کیا؟" گاہک نے اکڑ سے خوف زدہ ہوئے بغیر کہا۔

"ورنہ یہ کہ تمہیں الفان کے دوچار ہاتھ کھانا پڑیں گے اور تم لمبے لمبے لیٹے نظر آؤ گے۔"

"ناجم وہ آدمی نہیں، جو الفان سے مار کھا جائے۔"

"ناجم۔" الفان کے منہ سے نکلا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپی تھی۔

"ہاں ناجم!"

"آئیے آئیے، اندر چل کر بات کیجیے۔ نمبر بارہ، بھئی یہ تو اپنے دوست نکلے۔ دفع کرو بل ول کو۔" الفان نے جلدی سے کہا۔

"جج، جی بہتر۔" بیرے نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے الفان نے ناجم کو دوستانہ انداز میں بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اسی سمت میں مڑ گیا، جس سمت سے آیا تھا۔ ایسے میں اس کی نظر کاؤنٹر پر کھڑے انسپکٹر جمشید پر پڑ گئی۔ وہ چونک اٹھا۔ اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔

"ہیلو مسٹر الفان، تم چلتے چلتے رک کیوں گئے؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"انسپکٹر صاحب، آپ یہاں کہاں؟"

"بھئی ایسے ہی بس۔ تم سے ملنے کو جی چاہا، چلا آیا۔"

"جی کیا فرمایا، مجھ سے ملنے کو جی چاہا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں بالکل، پرانے دوستوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔" وہ بولے: "جس طرح تمہیں مسٹر ناجم سے مل کر ہوئی ہے۔"

ناجم نے نظر بھر کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں، انہیں دیکھ کر وہ کچھ پریشان سا نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں واقعی، یہ تو ہے۔ خیر تو پھر، آپ بھی آئیے۔" اس نے کہا آواز میں اب تک لرزش باقی تھی۔

"آؤ بھئی، مسٹر الفان کے ساتھ دو منٹ گزار لیں۔" انہوں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور وہ بھی اس کے ساتھ چلتے ایک کمرے میں داخل ہوئے کمرہ بہت بڑا تھا۔ اس میں ایک بڑی شاندار میز لگی تھی۔ میز کے گرد کرسیاں بچھی تھیں۔ سامنے والی کرسی پر الفان بیٹھ گیا۔ وہ اردگرد کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"مسٹر الفان، میرے پاس وقت بہت کم ہے، لہٰذا پہلے آپ ہم سے بات کرلیں تو بہت مہربانی ہوگی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھی بات ہے، فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں ارجن ناگی سے ملوا دیں۔" انہوں نے کہا اور ساتھ ہی محسوس کیا، الفان اور ناجم کو اس نام نے چونکنے پر مجبور کر دیا ہے۔

"ارجن ناگی، یہ کون صاحب ہیں؟" الفان نے حیران ہو کر کہا، پھر خود ہی چونک کر بولا:

"اوہو، کہیں آپ اس ارجن کا ذکر تو نہیں کر رہے، جو بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور پھر اسے نو سال کی سزا ہو گئی تھی۔"

"ہاں، ہم اسی ارجن ناگی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"افسوس، وہ تو اب جیل میں ہے۔ آپ اس سے جیل میں ملاقات کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ ارجن ناگی جیل سے باہر آ چکا ہے۔"

"تب آپ کی اطلاعات غلط ہیں۔ وہ ابھی تک جیل میں ہے۔ ایک دو روز پہلے ہی تو کوئی گاہک اس کا ذکر کر رہا تھا۔"

"مسٹر الفان، اگر یہ بات غلط ثابت ہوئی تو؟"

"اطلاع غلط ثابت نہیں ہو سکتی۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، میں ابھی فون کرتا ہوں۔"

"ضرور ضرور، بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

انہوں نے جیل کے نمبر ڈائل کیے۔ فوراً ہی دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"ہیلو، سپرنٹنڈنٹ جیل اجمل شاہ بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم جناب، میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ ایک قیدی کے بارے میں

معلومات چاہتا ہوں۔"

"اوہو، آپ ہیں جمشید صاحب، فرمائیے۔"

"قیدی کا نام ارجن ناگی ہے۔ بنک ڈکیتی کے جرم میں نو سال قید ہوئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ابھی وہ جیل میں ہی ہے یا سزا کاٹ کر رہا ہو چکا ہے۔"

"میں ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں۔ انتظار فرمائیے۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور ریسیور کان سے لگائے بیٹھے رہے۔

"کیا معلوم ہوا جناب؟" الفان نے پوچھا۔

"ابھی تو انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"دیکھ لیجیے گا، میرا بیان غلط ثابت نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب، ہم دیکھ لیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید کو دوسری طرف سے مخاطب کیا گیا۔

"ہیلو، میں اس طرف موجود ہوں جناب۔"

"تو پھر نوٹ فرما لیجیے، ارجن ناگی جیل میں ہی موجود ہے۔ اس کی سزا ختم ہونے میں ابھی تین ماہ اور کچھ دن باقی ہیں۔"

"اوہ، بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"ارجن ناگی تو واقعی ابھی جیل میں ہے۔"

"دیکھا، میں نے کہا تھا نا۔" الفان چہک کر بولا۔

"شکریہ، اب ہمیں اجازت دیجیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ چاروں نے ان کا ساتھ دیا، لیکن اچانک انسپکٹر جمشید مڑے اور نرم آواز میں کہا۔

"معاف کیجیے گا ناجم صاحب، آپ کی جیب میں جو پستول ہے، کیا آپ

کے پاس اس کا لائسنس ہے؟"

"پستول۔" ناجم نے انہیں گھورا۔

"جی ہاں، کیا آپ کی جیب میں پستول نہیں ہے۔"

"ہاں، ہے تو۔" وہ بولا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر اس کا لائسنس دکھا دیں۔"

"مسٹر انسپکٹر جمشید، ناجم میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ ہم ایک زمانے کے بعد آپس میں ملے ہیں۔ آپ اس ملاقات کو ناخوش گوار نہ بنائیے۔ لائسنس پھر کسی وقت دیکھ لیجیے گا۔" الفان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا، مسٹر ناجم کو لائسنس دکھانا ہوگا، کیونکہ آپ نہیں جانتے....." انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا نہیں جانتا۔" الفان حیران ہو کر بولا۔

"یہ کہ اس کمرے میں ملاقات کے دوران انہوں نے کئی بار پستول نکالنے کی کوشش کی ہے، لیکن پھر کسی خیال سے نکالا نہیں۔"

"یہ۔ یہ غلط ہے۔ میری اس جیب میں دراصل ایک پائپ بھی ہے۔ میں پائپ پینے کا شوقین ہوں۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد دو تین بار پائپ پینے کا خیال آیا، لیکن پھر آپ کی موجودگی کا خیال کر کے رک گیا۔"

"تو آپ کی اس جیب میں پائپ ہے، پستول نہیں۔ کیا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں؟"

"میری جیب میں پستول بھی ہے اور پائپ بھی۔ یہ دیکھیے۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا، ہاتھ باہر آیا تو اس میں تو صرف پستول تھا۔ ناجم نے پستول کی نال کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا:

"یہ دیکھیے، یہ رہا پستول۔ آپ اسی کو دیکھنا چاہتے تھے نا۔" اس بار اس کی آواز سرد تھی۔

"ناجم، یہ تم کیا کر رہے ہو۔" الفان نے گھبرا کر کہا۔

"تم خاموش رہو الفان، یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔"

"لیکن یہ میرے ہوٹل کا کمرہ ہے۔" الفان بولا۔

"یہ بھی تمہاری بھول ہے۔" ناجم زہریلے انداز میں مسکرایا۔

"کک، کیا مطلب؟" الفان نے لرز کر کہا۔

"لو، یہ خط پڑھ لو، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔" اس نے کہا اور کوٹ کی بائیں جیب سے ایک خط نکال کر الفان کی طرف بڑھا دیا۔

الفان نے تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا۔ اس میں سے خط نکالا اور اس پر لکھے الفاظ پر نظر دوڑانے لگا۔ اچانک کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ محمود یہ دیکھ کر تیزی سے جھکا اور چاہا کہ کاغذ اٹھا لے، لیکن اسی وقت ناجم غرا کر بولا:

"خبردار، خط کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا، ورنہ انگلیاں اڑا دی جائیں گی۔"

محمود ٹھٹک کر سیدھا ہو گیا۔ انہوں نے ناجم کی طرف دیکھا۔ اب اس کی آنکھوں میں خون اترا دکھائی دیا۔

☆☆☆

سمندر کے حوالے

یہ سب کچھ اچانک ہی ہوگیا۔ وہ تو الفان سے صرف ارجن ناگی کے بارے میں پوچھنے کے لیے آئے تھے۔ ان سے ملاقات سے پہلے الفان کو ناجم سے ملاقات کرنا پڑی اور اب یہ ناجم الفان کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا تھا، نہ جانے اس خط میں کیا تھا، جسے پڑھ کر الفان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ ادھر وہ جلد از جلد یہاں سے نکل کر ارجن ناگی سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، تا کہ اس سلسلے میں کوئی سراغ لگ سکے، لیکن ناجم اب ان کی طرف پستول تانے ہوئے تھا۔

"ایسی اس خط میں کیا بات ہے مسٹر ناجم کہ تم نے پستول تان لیا۔ خیر آپ ہمیں پستول کا لائسنس دکھا دیں، ہمیں اس خط سے کوئی غرض نہیں۔ لائسنس دیکھ کر ہم چلے جائیں گے۔"

"مسٹر الفان، کسی کو بلائیے۔" ناجم نے جیسے ان کے الفاظ سنے ہی نہیں۔
الفان نے میز کے پائے میں لگا بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی ایک بیرا اندر داخل ہوا اور پستول پر نظر پڑتے ہی بوکھلا اٹھا۔

"یس سر۔" اس نے الفان کی طرف دیکھا۔

"چار اور بیروں کو بلالاؤ۔" ناجم نے گرج دار آواز میں کہا۔

"جی۔" بیرا حیران رہ گیا۔ کیونکہ ایک ناواقف آدمی اسے حکم دے رہا تھا

اور ہوٹل کا مالک گنگ کھڑا تھا۔

"میں نے کہا ہے، چار بیروں کو بلالاؤ۔ مضبوط اور طاقت ور بیروں کو۔"

"معاف کیجیے گا جناب، میں آپ کو نہیں جانتا، مسٹر الفان ہی مجھے ہدایات دے سکتے ہیں۔"

"بدتمیز، میرے ہوتے ہوئے الفان کی کیا جرأت ہے کہ کسی کو حکم دے سکے۔ جاؤ اور بیروں کو بلالاؤ، ورنہ اسی وقت ملازمت سے نکال دیے جاؤ گے۔" ناجم نے غرا کر کہا۔

"مسٹر الفان، آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"جاؤ بھئی، جو کہا جا رہا ہے، کرو۔" الفان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

بیرے نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ جلد ہی وہ چار اور بیروں کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

"تم میں سے ایک لائٹر روشن کرے۔"

ایک بیرے نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جیب سے لائٹر نکال کر روشن کر دیا۔

"ٹھیک ہے، فرش پر پڑے اس کاغذ کو آگ دکھا دو اور اس کی راکھ کو پیروں سے مسل دو۔"

"جی بہتر۔" بیرے نے کہا۔ دوسرے ہی لمحے کاغذ جل گیا اور اس کی راکھ مسل دی گئی۔

"ٹھیک ہے، اب ان لوگوں کو باندھ لو۔ سب سے پہلے تم اپنے سابقہ مالک الفان کو باندھو گے۔"

"جج، جی۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"میں نے کہا ہے، سب سے پہلے الفان کو رسیوں سے باندھ لو۔ یہ لو،"

میں تمہارے لیے رسی ساتھ لایا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جیب میں دوسرا ہاتھ ڈالا اور ریشم کی ڈوری کا ایک گولا نکال کر ان کی طرف اچھال دیا۔

"معاف کیجیے گا جناب، ہم مسٹر الفان کو نہیں باندھ سکتے۔ ہم ان کے ملازم ہیں۔" ایک بیرے نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"تم بے وقوف ہو۔ اب یہ شخص اس ہوٹل کا مالک نہیں رہا۔ اب میں مالک ہوں۔ چاہو تو خود مسٹر الفان سے پوچھ لو۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"مسٹر الفان، آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"جو یہ کہہ رہے ہیں، وہ کرو۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

بیرے رسی لے کر سب سے پہلے اسی کی طرف بڑھے اور اسے باندھنے لگے۔ ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"اب ان لوگوں کی باری ہے۔ باری باری ان پانچوں کو بھی باندھ دو۔"

"لیکن جناب، ہمارا کیا قصور ہے۔" انسپکٹر جمشید طنز بھرے لہجے میں بولے۔

"بس میں مرضی کا مالک ہوں۔"

"تب پھر ہم بھی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم خود کو نہیں بندھوائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں، ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر تم نے پرسکون رہ کر خود نہ بندھوایا تو پچھتانا پڑے گا۔ اول تو میرے ہاتھ میں جو پستول ہے، وہ نقلی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر سائیلنسر فٹ ہے، آواز کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔ تیسرے یہ کہ میں یہاں انتظام کے بغیر نہیں آ گیا۔

کمرے کی کھڑکیوں کی طرف ایک نظر دیکھ لو، پھر بات کرنا۔"

انہوں نے جلدی سے کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ کمرے کی تین کھڑکیاں تھیں اور ان تینوں سے دو دو پستولوں کی نالیں جھانک رہی تھیں، گویا وہ اس وقت سات پستولوں کی زد میں تھے اور اتنے پستولوں کی زد سے خود کو بچانا ان کے لیے ناممکن تھا۔ انہوں نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں:

"اب کیا کریں۔"

"چلو بھئی، اٹھا دو ہاتھ۔ بندھوا لو خود کو۔" انسپکٹر جمشید تھکی تھکی آواز میں بولے۔

☆☆

باری باری ان کے ہاتھ اور پیر باندھ دیے گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر بیروں نے ناجم کی طرف دیکھا۔

"سنو، اس ہوٹل کا مالک الفان نہیں تھا۔ میں نے اسے مالکانہ حقوق دے رکھے تھے، لیکن اس نے میری مرضی کے مطابق کام نہیں کیا، لہذا آج سے الفان کا تعلق اس ہوٹل سے ختم۔ اب یہاں میرا حکم چلے گا۔ جس نے چوں بھی کی، وہ گیا کام سے۔ میں جانتا ہوں، اس ہوٹل کے بیرے عام بیرے نہیں ہیں، سب کے سب جرائم پیشہ لوگ ہیں اور ضرورت پڑنے پر ان سے ہر قسم کا کام لیا جا سکتا ہے، لہذا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہوٹل کی جیپ کو ہوٹل کے پیچھے والی گلی میں لے آیا جائے، لیکن نہیں، اس سے پہلے کپڑے کے بڑے بڑے تھیلے لے آؤ، تاکہ ان لوگوں کو ان تھیلوں میں بھر کر جیپ پر لاد دیا جائے۔ اس کے بعد میرے آدمی جیپ سے خود ہی نبٹ لیں گے۔"

"بہت بہتر جناب۔" بیروں نے ایک ساتھ کہا اور کمرے سے نکل گئے۔ واپس لوٹے تو ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے تھیلے تھے۔

"ان لوگوں تھیلوں میں بھر دو۔" ناجم نے حکم دیا۔

"باندھتے وقت انہوں نے منہ بھی نہیں چھوڑے تھے، لہٰذا وہ منہ سے آواز نکالنے کے قابل بھی نہیں تھے، صرف آنکھیں کھلی تھیں اور ان میں بے بسی کے آثار تھے۔

جلد ہی انہیں تھیلوں میں بھرا جانے لگا۔ بے بسی کا ایک عجیب عالم ان پر سوار تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہوٹل الفان ان کے لیے پنجرہ بن جائے گا۔ وہ تو یہاں صرف ارجن ناگی کے بارے میں معلوم کرنے آئے تھے اور حیرت تو انہیں اس وقت ہوئی تھی کہ ارجن ناگی ابھی تک جیل میں تھا، جب کہ جس موٹر سائیکل کے ذریعے ارجن ناگی فرار ہوا تھا۔ اس پر سے اس کی انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے تھے اور یہ کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ارجن ناگی جیل میں بند بھی ہو اور جیل سے باہر مجرمانہ کارروائی میں مصروف بھی۔ پولیس کا ریکارڈ بھی غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ اس ریکارڈ کی بدولت ہی وہ ہوٹل الفان پہنچے تھے اور یہاں آتے ہی عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گئے تھے۔ نکلے تھے وہ بیگم جمشید، شہناز بیگم، ظہور اور اس کی بیوی کا کھوج لگانے اور خود اپنا پتا کھو بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ جیپ میں لدے ہوئے تھے اور جیپ تیزی سے سفر کر رہی تھی۔ وہ تھیلوں میں بھرے ادھر ادھر بے بسی کے عالم میں لڑھک رہے تھے۔ اس قدر بے بسی انہوں نے اپنی زندگی میں بہت کم موقعوں پر محسوس کی ہو گی۔ آخر ایک جگہ جیپ رک گئی۔ انہوں نے ساحل سمندر کا شور سنا اور تھرا اٹھے۔ ایک ہی خیال ذہنوں میں گونجا۔ تب تو کیا، یہ لوگ انہیں سمندر میں پھینکنا چاہتے ہیں۔

پھر انہیں اتار جانے لگا۔ سمندر کے کنارے ایک بڑا سا کیبن نظر آیا۔ انہیں اس کیبن میں ڈھیر کیا جاتا رہا اور پھر انہوں نے ایک آواز سنی۔ انسپکٹر جمشید اس آواز کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ فون پر یہی آواز ان سے بات چیت کرتی رہی تھی۔

"بہت خوب، تو یہ لوگ بھی یہاں آ گئے۔ ٹھیک ہے، انہیں ایک ساتھ ہی سفر پر روانہ کرنا مناسب ہو گا۔"

انہوں نے گردن گھما کر دیکھا۔ فرش پر تینوں عورتیں اور ظہور انہی کے انداز میں بندھے پڑے تھے۔ انہوں نے بھی ان لوگوں کو دیکھ لیا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کے مردہ تنوں میں جان پڑ گئی تھی۔ اب انہوں نے بولنے والے کی طرف دیکھا، وہ ارجن ناگی تھا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے فوراً ہی جان لیا، یہ وہی تھا جو ان پر فائرنگ کر کے اور پھر موٹر سائیکل لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی وقت اس نے کہا:

"ارے، یہ کیا۔ ان لوگوں میں تو مسٹر الفان بھی ہیں۔ یہ، یہ کیا ہوا؟"

"مسٹر الفان کا سورج غروب کر دیا گیا۔ اب ہوٹل الفان کا انتظام مسٹر ناجم کے ہاتھ میں ہے۔" انہیں لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"کیا کہا، ناجم۔" ارجن ناگی کی آواز میں لرزش تھی۔

"ہاں، وہ بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا آپ مسٹر ناجم سے واقف ہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔ اس کا دوسرا نام جلاد ہے، لیکن باس اس سے بھی بڑا جلاد ہے۔ وہ اسے ہمیشہ دوسروں کو سزا دینے کے لیے بھیجتا ہے اور سزا اس وقت دی جاتی ہے، جب کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے یا کوئی آدمی ناکارہ ثابت ہو رہا ہو۔"

ان میں سے کوئی کچھ نہیں بول سکتا تھا، کیونکہ ان کے منہ بھی بند کر دیے گئے تھے۔ اچانک باہر سے جواب دیا گیا۔

"تم لوگوں کا خیال ٹھیک ہے۔ الفان ناکارہ ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ اب تم لوگوں کو انہیں سوراخ والی کشتی میں بٹھا کر سمندر کی طرف روانہ کرنا ہے، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انہیں قتل کیا گیا ہے۔ بس یہی خیال کیا جائے گا کہ یہ لوگ مجرموں کا تعاقب کرتے ہوئے سمندر میں نکل گئے تھے، بس ان کی کشتی الٹ گئی۔" آواز ناجم کی تھی۔

"لیکن جناب کشتی میں بٹھانے سے پہلے تو ان کے ہاتھ پیر کھولنا ہوں گے۔"

"ہاں، تم سب لوگ ان پر پستول تان لو، پھر صرف ایک آدمی باری باری ان کی رسیاں کھولے گا۔"

پروگرام پر عمل شروع ہوا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی موقعے کی تاک میں تھے، لیکن انہیں کوئی موقع نہ مل سکا۔ ناچار انہیں کشتی میں سوار ہونا پڑا۔ وہ لوگ ساحل سمندر پر پستول لیے کھڑے رہے۔

"مسٹر جمشید، اب تم ناک کی سیدھ میں کشتی لے جاؤ۔ خبردار، کنارے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھنا۔ مڑ کر دیکھا نہیں اور ادھر سے فائرنگ کی نہیں گئی۔"

"بہت اچھا مسٹر ناجم۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کشتی کا انجن دیا۔ کشتی تیر کی طرح سمندر میں آگے بڑھی۔ ساتھ ہی نہایت تیزی سے پانی کشتی میں گھسنے لگا

"آزادی مبارک ہو دوستو۔" انسپکٹر جمشید نے چہکتی آواز میں کہا۔

"آزادی۔ آپ اسے آزادی کہہ رہے ہیں۔" بیگم جمشید نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں، یہ آزادی نہیں تو اور کیا ہے۔" وہ بولے۔

"ابا جان، آپ اسے کھوکھلی آزادی کہہ سکتے ہیں۔" محمود بول اٹھا۔

"لیجیے، اب آزادی بھی کھوکھلی ہونے لگی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"سنو، میں نے غلط نہیں کہا۔ ان کا پروگرام سننے کے بعد ہی میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں کی جائے گی، چپ چاپ کشتی میں بیٹھ جائیں گے۔"

"لیکن کیوں۔ کیا آپ اس سوراخ سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہے۔"

"نہیں، تم سب لوگ پانی کشتی سے باہر پھینکنا شروع کر دو۔ محمود، تم اپنا چاقو خان رحمان کو دے دو۔ خان رحمان تم کشتی کے کناروں پر سے لکڑی کے چند تختے کاٹ لو اور ان سے ان سوراخ کو بند کر دو۔"

"لیکن جمشید تختے سوراخ پر کس طرح ٹکیں گے۔" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"ایک طرف تو چاقو سے میخ کا کام لیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف تم خود تختوں پر بیٹھ جاؤ گے۔ اس طرح کشتی میں گھس آنے والے پانی کی مقدار بہت کم ہو جائے گی۔ ہمارے باقی ساتھی بدستور پانی ہاتھوں کی مدد سے باہر پھینکتے رہیں گے پھر جوں ہی یہ لوگ نظروں سے اوجھل ہوئے، ہم چکر کاٹ کر ساحل کا رخ کریں گے۔"

"لیکن جمشید، سوراخ بہت بڑا ہے اور پانی بہت تیزی سے اندر آ رہا ہے۔ ہمارے تمام ساتھی مل کر بھی اتنا پانی نکال نہیں پا رہے۔ جتنا داخل ہو رہا ہے۔"

"خان رحمان، وہ کرو، جو میں کہہ چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا اور خان رحمان حیران رہ گئے، پھر انہوں نے بوکھلا کر محمود کی طرف دیکھا۔

"محمود چاقو۔"

''اچھا نام ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

''کیا مطلب؟'' محمود نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا اور چاقو خان رحمان کی طرف بڑھا دیا۔

''محمود چاقو، اچھا نام ہے۔'' فاروق نے کہا۔

''تمہیں اس حالت میں بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔'' بیگم جمشید نے بھنا کر کہا۔

''اچھی بھلی تو حالت ہے امی جان۔ ہم دشمنوں کے قبضے سے نکل آئے ہیں اور آپ بھی ہمارے ساتھ آ گئی ہیں۔ اب فکر کیسا؟''

''ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس کے دماغ میں بل پڑ گئے ہیں، تبھی تو موت کے دہانے پر بھی چہک رہا ہے۔'' فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

''یہ میرا دماغ ہے، کوئی رسی نہیں، جس میں بل پڑے ہوں۔''

''یار، خاموش ہو جاؤ، صرف کام کرو۔ اگر ہم سوراخ کی نسبت زیادہ کام نہ کر سکے تو کشتی ڈوب جائے گی۔'' انسپکٹر جمشید تملا کر بولے۔

''اس سوراخ کی ایسی کی تیسی۔ میں اس پر اپنا پاؤں رکھ دیتا ہوں۔'' فاروق بولا۔

''اس طرح پانی نہیں رکے گا، تم نہیں جانتے۔ پانی کا دباؤ بہت تیز ہے۔''

انسپکٹر جمشید کی بتائی ہوئی تدبیر کارگر رہی اور پانی کے داخل ہونے کی رفتار میں بہت کمی واقع ہو گئی، تاہم پانی اب بھی کشتی میں آ رہا تھا اور وہ سب کے سب اسے باہر نکال رہے تھے۔ صرف خان رحمان لکڑی کے تختوں پر جمے بیٹھے تھے۔ اچانک انہوں نے کڑکڑ کی آوازیں سنیں۔

''ارے، یہ آوازیں کیسی ہیں؟'' وہ بوکھلا اٹھے۔

''شاید سوراخ کے پاس سے کشتی کی لکڑی ٹوٹ رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم خطرے میں گھر جائیں گے، کیونکہ اب ہم کنارے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔''

''اب وہ لوگ نظر نہیں آ رہے۔ تم کشتی گھما کیوں نہیں دیتے جمشید۔'' خان رحمان بے چین ہو کر بولے۔

''ہاں، بس اب گھما رہا ہوں۔''

اچانک خان رحمان اچھل گئے۔ لکڑی کے تختے اکھڑ گئے اور سوراخ پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ ہو گیا۔ پانی ایک چادر کی صورت میں کشتی میں آنے لگا۔

''اف خدا، یہ کیا ہوا؟'' ظہور نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

''سب آپ کی وجہ سے ہوا۔'' فاروق بولا۔

کیا کہا، میری وجہ سے؟'' ظہور نے بوکھلا کر کہا۔

''ہاں، نہ آپ اتنی ہانڈیاں اور اتنے سوٹ جلاتے، نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔''

''فاروق تو اس طرح چہک رہا ہے، جیسے اسے کوئی خوف ہی نہ ہو۔''

''خوف ہو بھی کیوں، جب کہ میں تیرنا جانتا ہوں اور یہاں سے ساحل تک تیر کر جا سکتا ہوں۔''

''بہت خود غرض ہو۔'' محمود نے بھنا کر کہا۔

''اس میں خود غرضی کہاں سے آ کودی۔'' فاروق نے تملا کر کہا۔

''جن لوگوں کو تیرنا نہیں آتا، تم انہیں کیوں بھلائے دے رہے ہو۔ مثلاً امی جان، آنٹی، سلمٰی خالہ اور انکل ظہور۔ میرا خیال ہے، انہیں بھی تیرنا نہیں آتا ہوگا۔ کیوں انکل ظہور؟''

''نن، نہیں۔'' ظہور نے کانپ کر جواب دیا۔

''لیکن ہم پانچ آدمیوں کو تیراکی میں ملکہ حاصل ہے اور جب کسی کو تیراکی

میں ملکہ حاصل ہو تو وہ کم از کم ایک ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تو دے ہی سکتا ہے، گویا ہم پانچ آدمی ان کے لیے تنکوں کے سہارے ثابت ہوں گے۔"

"تو کیا ناجم تمہارے خیال میں بالکل عقل سے پیدل آدمی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سوال کیا۔

"جی، کیا مطلب؟" فاروق چونک کر بولا۔

"آخر ناجم نے کیا سوچ کر ہمیں اس کشتی میں بٹھا کر سمند کے حوالے کر دیا۔" انسپکٹر جمشید نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سمندر کے حوالے۔" فاروق کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"یہ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے کہا، لیکن چونکہ دونوں ہاتھ پانی نکالنے میں مصروف تھے، اس لیے ران پر ہاتھ نہ مار سکا اور عین اسی وقت کشتی کے پرخچے اڑ گئے۔ ان میں سے کئی ایک کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

"ہم میں سے ایک ایک آدمی ایک ایک کو سہارا دے گا۔ صرف فرزانہ سہارا دینے کا کام نہیں کرے گی اور ساحل کی طرف سب سے آگے چلے گی۔" انسپکٹر جمشید نے حکم دیا۔

وہ پانچوں اپنے ہوش و حواس میں تھے، جب کہ باقی چاروں ہوش و حواس قائم نہیں رکھ سکے تھے، لہٰذا وہ فوراً ان کی طرف بڑھے۔ ایک ایک نے ایک ایک کو سنبھال لیا اور کنارے کی طرف تیرنے لگے۔ فرزانہ اب ان سب سے آگے تھی۔

وہ کتنی ہی دیر ساحل کی طرف تیرتے رہے اور پھر فرزانہ نے چلا کر کہا:

"ابا جان، ہم موت کے ساحل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

سراغ کے دروازے

فرزانہ کے الفاظ نے انہیں تھرا دیا۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو ساحل پر ناجم اور اس کے ساتھی کھڑے دکھائی دیے۔ ان کے ہاتھوں میں بدستور پستول موجود تھے اور نالوں کا رخ ان کی طرف تھا، گویا وہ بھی ان کے حساب سے ساحل پر چلتے اس جگہ آ گئے تھے، جہاں انہیں پہنچنا تھا۔

"جمشید، اب کیا کریں؟"

"اب ہم فکر کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"فکر، کس بات کا فکر؟" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"بھئی آخرت کا۔ ان لمحات میں بھی اگر ہم نے آخرت کا فکر نہ کیا تو کیا کریں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"فرزانہ، کیا تم اپنی امی کو سہارا دے کر ساحل کی طرف چل سکتی ہو؟" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جی ہاں، کیوں نہیں۔"

"کیا ارادے ہیں جمشید؟" خان رحمان نے بوکھلا کر پوچھا۔

"میں پانی کے نیچے تیرتا ہوا ان تک جا پہنچوں گا اور ان سے ٹکرا جاؤں گا۔" وہ بولے۔

''کیا کہہ رہے ہیں ابا جان، یہ تو موت خریدنے والی بات ہوگی۔'' فرزانہ بے چین ہوگئی۔

''تب پھر تم ہی بتاؤ، ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بے چارگی کے عالم میں بولے۔

فرزانہ نے اپنے ذہن کو گردش دی اور کانپتی آواز میں بولی:

''شش، شاید ختم ہوگیا۔''

''کیا ختم ہوگیا؟'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''ترکیبوں کا اسٹاک۔'' فاروق بولا۔

''فاروق، بُری بات ہے۔ ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔'' خان رحمان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں انکل، فاروق نے کم از کم مذاق نہیں کیا۔''

''کیا کہا، میں نے مذاق نہیں کیا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو فرزانہ۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''ہاں، میرے ذہن میں واقعی کوئی ترکیب نہیں۔''

''یہ۔ یہ جملہ ہم نے شاید پہلی بار سنا ہے۔'' فاروق نے گھبرا کر کہا۔

''ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔''

عین اسی وقت گولیوں کی باڑھ ماری گئی۔ انہوں نے فوراً غوطے لگا دیے۔ تیراکوں کے لیے تو یہ کام کوئی مشکل نہیں تھا، لیکن وہ گھبرا گئے، جنہیں تیرنا نہیں آتا تھا۔ یوں ابھی وہ گولیوں کی زد میں نہیں آئے تھے۔

''اف جمشید، انہوں نے تو فائرنگ شروع کر دی۔ اب کیا ہوگا۔'' خان رحمان نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

''حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں خان رحمان، حوصلہ ہارنے پر ہم بھی کچھ ہار جائیں گے۔ فرزانہ جلدی کرو اپنی امی کو سنبھالو۔ مجھے ان کے مقابلے کے لیے جانا ہی ہوگا۔ اور سنو، اگر میں ان کے مقابلے میں کام آ گیا یعنی مارا گیا تو خان رحمان تم کنارے کا رخ کرو گے اور مردانہ وار ان کا مقابلہ کرو گے۔''

''تم فکر نہ کرو جمشید، بلکہ اس وقت بھی اگر تم کہو تو پہلے میں ان کے مقابلے کے لیے چلا جاتا ہوں۔''

''نہیں پہلا حق میرا ہے۔'' انہوں نے کہا اور غوطہ لگا دیا۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ وہ بدستور کنارے کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ اس طرف سے گولیوں کا خطرہ بھی تھا۔ لیکن ساحل کی مخالف سمت میں چلنے کا مطلب صرف اور صرف موت تھا، کیونکہ وہ ایک ایک کو سہارا دیے کب تک تیر سکتے تھے اور پھر آگے جا کر سمندر کی چھالیں قیامت خیز ہو جائیں۔

اسی وقت دوسری باڑھ ماری گئی، لیکن گولیاں ابھی ان تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔

عنقریب ہم گولیوں کی زد میں آنے والے ہیں۔'' خان رحمان نے گویا خبردار کیا۔

''لیکن انکل، ہم کر ہی کیا سکتے ہیں، سوائے ڈبکی لگا جانے کے۔''

''چلو خیر، ڈبکیاں ہی سہی۔'' خان رحمان بولے۔

اچانک ساحل کے قریب انسپکٹر جمشید نے سر ابھارا۔

''وہ رہا۔'' انہوں نے ناجم کی چیختی آواز سنی۔ فوراً ہی ان کے سر پر گولیوں کی بوچھاڑ ماری گئی۔ وہ ڈبکی کھا گئے، لیکن جلد ہی دوسری طرف اُبھرے۔ ادھر بھی فائر کیے گئے، لیکن وہ تو پہلے ہی ہوشیار تھے، اس بار وہ پھر پہلی سمت میں ابھرے۔

دشمنوں کی نظریں انہیں پہلے ہی تلاش کر رہی تھیں۔فوراً ہی فائر کیے گئے۔اب وہ ان کے ساتھیوں کو بھول گئے تھے اور صرف انہی کو نشانہ بنانے کی فکر میں لگ گئے تھے۔ ادھر باقی لوگ کنارے سے نزدیک ہو چکے تھے۔

اچانک پولیس کی سیٹیوں کی آواز گونج اٹھیں۔ ناجم اور اس کے ساتھی چونک اٹھے اور پھر ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ آن کی آن میں ساحل صاف تھا اور وہ پرسکون انداز میں تیرتے ہوئے ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جلد ہی انہوں نے اکرام اور سادہ لباس والوں کو ساحل کی طرف آتے دیکھا، ان کے چہرے چمک اٹھے:

"اف خدا، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" اکرام چلایا۔

"پانی کے بھوت۔" فاروق بول اٹھا۔

"عین وقت پر آئے اکرام، لیکن آئے کس طرح؟"

"آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو میں نے ادھر ادھر فون کرنا شروع کیے۔ جب کچھ پتا نہ چل سکا تو ہوٹل الفان پہنچا۔ کاؤنٹر کلرک مائی کا رنگ بالکل سفید تھا۔ اسے ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ آپ لوگ آئے تھے اور پھر منیجر کے کمرے سے نکلتے نہیں دیکھے گئے۔ منیجر کے کمرے سے میں اس گلی تک پہنچا۔ اس طرح ایک بند جیپ کا سراغ ملا جو ساحل کی طرف آتے ہوئے دیکھی گئی تھی اس طرح یہاں تک پہنچا۔ فائرنگ کی آواز ہم نے کافی دور سے ہی سن لی تھی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے، ورنہ آج تو دشمن نے ہمیں بالکل بے بس کر دیا تھا۔" انہوں نے کہا۔

شدید سردی کا موسم اور اوپر سے تیرنا پڑ گیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دانت بجنے لگے۔ اکرام کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ فوراً انہیں جیپ میں بٹھا کر دروازہ بند کر دیا اور

شہر کی طرف چل پڑا۔ ایک گھنٹے بعد وہ لباس تبدیل کر کے۔ بیگمات اور ظہور کے پاس خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو چھوڑ کر اس کیبن کا رخ کر رہے تھے، لیکن جانتے تھے اب وہاں کیا مل سکتا تھا، گھر پر انہوں نے چار سادہ لباس والے بھی مقرر کر دیے تھے، تاکہ ناجم انہیں پھر اغوا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیبن خالی ملا، تاہم انگلیوں کے نشانات اٹھوائے گئے اور پھر ہوٹل الفان کا رخ کیا گیا۔ ہوٹل میں کاروبار اسی طرح جاری تھا، لیکن مائی اور دوسرے بیرے ناجم کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکے۔

"سوال یہ ہے کہ ناجم ہے کون؟"

"ہم نے تو یہ نام آج پہلی بار ہی سنا ہے جناب۔" مائی نے کہا۔

"آخر یہ ہوٹل کس کا ہے؟" انسپکٹر جمشید تلملا اٹھے۔

"ہم تو ہوٹل کا مالک آج تک مسٹر الفان کو ہی خیال کرتے رہے ہیں جناب۔" اس نے کہا۔

"آؤ بھئی، ذرا اس ہوٹل کی ملکیت کے کاغذات دیکھ لیں۔ یوں کچھ معلوم نہیں ہوگا۔"

وہ الفان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں یہیں سے باندھ کر لے جایا گیا تھا۔ اب یہاں نہ الفان تھا نہ ناجم۔ اچانک انہیں الفان کا خیال آیا۔ کشتی کے تباہ ہونے کے بعد انہوں نے الفان کو نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے فوراً مائی کو بلایا۔

"کیوں مائی، کیا مسٹر الفان تیرنا جانتے تھے؟"

"جج، جی ہاں" انہوں نے تو تیراکی کے کئی مقابلے جیتے ہیں۔"

"تب وہ تیرتا ہوا دور نکل گیا ہوگا اور اب کہیں چھپا ہوا ہوگا۔" وہ بولے۔

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

کمرے سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ کاغذات تلاش کیے گئے

اور آخر تجوری کے ایک خفیہ خانے سے کچھ کاغذات مل ہی گئے۔ انسپکٹر جمشید کرسی پر بیٹھ گئے اور کاغذات کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اچانک ان کے منہ سے نکلا:

''اف خدا، یہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔''

☆☆

''جی کیا پڑھ رہے ہیں؟'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''یہ ہوٹل الفان کا ہی ہے۔ اس نے کسی سرخام نامی آدمی سے خریدا تھا۔''

وہ بولے۔

''تب پھر ناجم کے آگے اس کے حواس کیوں گم ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے بیروں کی مدد سے اس کی پٹائی کیوں نہ کرا دی۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''اور میری سمجھ میں تو یہ بات بھی نہیں آئی کہ ارجن ناگی آزاد پھر رہا ہے۔ جب کہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کا کہنا ہے۔ اس کی سزا ابھی ختم نہیں ہوئی اور وہ جیل میں بند ہے۔'' محمود بول اٹھا۔

''اوہ ہاں، اسے تو ہم بھول ہی گئے۔ تو پھر چلو، جیل بھی ہو آئیں۔''

''یا اللہ رحم، جرم کے بغیر جیل جا رہے ہیں۔'' فاروق نے گھبرا کر کہا۔

''اگر اتنا ہی ڈر لگ رہا ہے تو یہیں رک جاؤ۔ کیا خبر، الفان یا ناجم آ کر خود کو تمہارے سامنے گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔'' فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''ٹھہرو، پہلے میں اکرام کو چند ہدایات دے دوں۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کمرے میں رکھے فون کے ذریعے اکرام کو ہدایات دیں اور پھر جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

''معاملے کا سر پیر ابھی تک نظر نہیں آ سکا۔'' محمود بڑبڑایا۔

''جیل پہنچنے تک تمام حالات کا جائزہ لے لو، شاید کوئی سرا ہاتھ آ جائے۔''

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''جی بہتر، یہ معاملہ اس وقت شروع ہوا تھا، جب ہم تفریحی مقام سے لوٹ رہے تھے۔ ایک شخص نے لفٹ کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا اور ہم اس کے نزدیک رک گئے تھے۔ اس نے اپنے پیر کامل کی پیش گوئی سنائی تو ہم اس کے پیر سے ملنے کے لیے چلے گئے۔ وہ سب دھوکا تھا۔ ہمیں بے ہوش کر دیا گیا اور وہ لوگ ہمارا سامان لے اڑے۔ اس سامان کو دکھا کر انہوں نے ہمارے چار ساتھیوں کو اغوا کر لیا اور تمام قیمتی کاغذات اڑا لیے۔ ان کی واپسی کی شرط انہوں نے حیرت انگیز رکھی۔ یہ کہ مہمان صدر کا دورہ ملتوی کرا دیں۔ ہم وزیر خارجہ سے ملے، پھر صدر صاحب سے ملے۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ دورہ کسی صورت بھی ملتوی نہیں ہو سکتا۔ مجرم یعنی ارجن ناگی نے فون پر بات کی۔ ہم پبلک فون بوتھوں پر سادہ لباس والے مقرر کر چکے تھے، لہٰذا ارجن ناگی سے جھڑپ ہوئی اور وہ ہمارے ساتھیوں کو دھمکی دے کر موٹر سائیکل لے کر فرار ہو گیا، تاہم اس کا تعاقب ایک آلے کی مدد سے کیا گیا۔ وہ موٹر سائیکل ایک جگہ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ اس موٹر سائیکل سے اس کی انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے تو ریکارڈ سے معلوم ہوا، اس شخص کا نام ارجن ناگی ہے اور وہ ایک سزا یافتہ مجرم ہے اور یہ کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہوٹل الفان میں تھا۔ ہم ہوٹل الفان پہنچے اور یہیں سے عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ مسٹر الفان سے ہماری ملاقات ہو سکتی، الفان اور ناجم مل بیٹھے۔ میں پہلے بھی دو ایک بار ہوٹل الفان جا چکا تھا اور کاؤنٹر کلرک اور الفان سے مل چکا تھا، بہر حال ہم الفان کے کمرے میں پہنچ گئے اور بات چیت کر کے واپس آ رہے تھے کہ میں ناجم سے پستول کے لائسنس کی بات کر بیٹھا۔ بس یہیں سے چکر شروع ہوا۔ ناجم نے پستول ہم پر تان لیا اور پھر ایک خط الفان کو

دکھایا۔ اس خط کو پڑھ کر الفان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ خط اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ محمود نے اٹھانا چاہا، لیکن ناجم نے گولی مارنے کی دھمکی دے دی۔ اس وقت تک ہم ناجم کو تنہا خیال کر رہے تھے، لیکن اس کے چھ ساتھی کمرے سے باہر کھڑکیوں پر کھڑے تھے۔ ان کی وجہ سے ہمیں خود کو بندھوانا پڑا۔ اور اس طرح ہم اس کیبن میں اور کیبن سے سمندر میں پہنچے۔ ہاں، اس دوران ہم سپرنٹنڈنٹ جیل سے اس بات کی تصدیق کر چکے تھے کہ ارجن ناگی جیل میں ہے، کیونکہ الفان نے یہی بتایا تھا۔ سمندر سے ہم زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ناجم کا کہیں پتا نہیں، اور نہ اس کے ساتھیوں کا۔ الفان تو شاید سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ناجم کون ہے، وہ خط کیسا تھا۔ الفان کو کس نے لکھا تھا۔ اس میں کیا لکھا تھا۔ یہ تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ناجم سے بھی اوپر کوئی شخص موجود ہے جو ان سب کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے۔ ارے، ہم جیل کے سامنے پہنچ گئے۔"

محمود نے چونک کر کہا۔ انہوں نے نظریں اٹھائیں۔ انسپکٹر جمشید جیپ روک چکے تھے۔

"ہاں آؤ، نیچے اترو۔" وہ بولے۔

وہ لوہے کے دروازے سے گزر کر ایس پی جیل اجمل شاہ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے نہایت گرمجوشی سے ان سے ہاتھ ملائے۔

"ایک بہت ہی عجیب معاملہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیسا معاملہ؟" اجمل شاہ نے حیران ہو کر کہا۔

"کچھ دیر پہلے میں نے ایک قیدی ارجن ناگی کے بارے میں پوچھا تھا۔ آپ نے بتایا کہ ابھی اس کی تین ماہ کی سزا باقی ہے۔ اور وہ جیل میں ہی ہے۔"

"جی ہاں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

"لیکن پولیس کو ایک موٹر سائیکل پر سے ارجن ناگی کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ ارجن ناگی کا ریکارڈ پولیس کے پاس بہت پرانا ہے۔ یعنی اس وقت کا جب اسے بنک ڈکیتی کے کیس میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی ڈکیتی کے سلسلے میں اسے قید ہوئی تھی۔"

"یہ۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔" اجمل شاہ ہکلائے۔

"ہم خود حیران ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے، اسی لیے چلے آئے ہیں اور جیل میں موجود ارجن ناگی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور ضرور، کیوں نہیں۔ آپ اس سے دفتر میں ملاقات کرنا پسند کریں گے یا اس کی کوٹھری میں؟"

"یہیں بلوا لیجیے۔" وہ بولے۔

اجمل شاہ نے ایک ماتحت کو ہدایات دیں۔ پندرہ منٹ بعد ایک درمیانے قد کا پتلا دبلا اور سوکھا ہوا سا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

"آؤ بھئی بیٹھو۔" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

وہ جلدی سے فرش پر بیٹھ گیا، جیسے اسے اس طرح بیٹھنے کی اجازت ملنے کی امید نہ رہی ہو۔

"ارے نہیں بھئی، کرسی پر بیٹھو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ایک قیدی میرے سامنے کس طرح کرسی پر بیٹھ سکتا ہے۔" اجمل شاہ نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"اوہ ہاں، یہ تو میں بتانا بھول ہی گیا۔ تب تو شاہ صاحب یہ ملاقات اس کمرے میں نہیں ہو سکتی۔" انسپکٹر جمشید مایوسانہ لہجے میں بولے۔

"کیا مطلب؟" اجمل شاہ نے چونک کر کہا۔

"آپ ہمیں ملاقات کے کمرے میں بھیج دیں۔ ہم ان سے وہاں بات کر لیں گے۔"

"آخر یہ بات کیا ہوئی۔ آپ اسے فرش پر بٹھا دیں اور جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھتے رہیں۔ یہ جواب دیتا رہے گا۔"

"جی نہیں، اس شخص نے اگر کوئی جرم کیا تھا تو اسے سزا دی جا چکی ہے اور یہ اپنی سزا کاٹ رہا ہے، لیکن بہرحال یہ انسان ہے۔ ہم اسے انسانیت سے نہیں گرا سکتے۔ یہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ کر بات کرے گا۔ اگر آپ کو یہ گوارا نہیں تو ہمیں ملاقات کے کمرے میں بھیج دیں۔"

اجمل شاہ چند سیکنڈ تک انہیں گھورتے رہے، آخر چبھتی ہوئی آواز میں بولے:

"چلو بیٹھ جاؤ کرسی پر۔"

اور وہ ڈرتا کانپتا کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پہلا سوال کیا۔

"ارجن ناگی۔"

"کیا یہ تمہارا پیدائشی نام ہے؟ میرا مطلب ہے، ماں باپ کا رکھا ہوا؟"

"ن نہیں۔ یہ نام میرا بعد میں رکھا گیا۔"

"تمہیں نو سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ تم نے بنک میں ڈاکا ڈالا تھا، یہ ٹھیک ہے۔"

"جی ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"اس بنک کا نام کیا تھا؟ وہ کہاں واقع تھا؟"

"یہ آپ کس قسم کے سوال پوچھ رہے ہیں۔" اجمل شاہ حیران ہو کر بولا۔

"میرا سوالات پوچھنے کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔" انہوں نے کہا اور قیدی کی طرف مڑتے:

"ہاں تو کیا نام تھا، اس بنک کا؟"

"قومی بنک، مین شاخ۔"

"ہوں، کیا تم موقعے پر ہی گرفتار ہو گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اب تم اپنا پتا لکھوا دو۔"

"جج، میرا پتا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، اپنے گھر کا پتا۔"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے، میں تو ایک جرائم پیشہ تھا۔ جہاں رات ہوتی تھی، سو جاتا تھا۔"

"ہوں، شاہ صاحب، اس کی فائل منگوایئے۔ جس وقت اسے سزا ہوئی تھی۔ اس وقت اس کی انگلیوں کے نشانات محفوظ کیے گئے ہوں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" اجمل شاہ نے کہا اور گھنٹی بجا دی۔

تھوڑی دیر بعد فائل پیش کر دی گئی۔ اس میں واقعی ارجن ناگی کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ اب قیدی کی انگلیوں کے نشانات ایک کاغذ پر لے کر ان سے ملائے گئے۔ ان میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"حیرت انگیز، انتہائی حیرت انگیز۔ پولیس کے ریکارڈ میں ارجن ناگی کی انگلیوں کے نشانات اور ہیں، جیل کی فائل میں اور۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ارجن ناگی دو ہوں۔" فاروق بول اٹھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، قومی بنک کی مین شاخ میں جس ارجن ناگی نے ڈاکا ڈالا تھا، پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا اور اس کی انگلیوں کے نشانات لے لیے گئے تھے۔ اس سے پہلے بھی اس کی انگلیوں کے نشانات پولیس ریکارڈ میں موجود تھے، پھر پولیس نے اس ارجن ناگی کو جیل کے حوالے کر دیا، لیکن جیل میں جو ارجن ناگی موجود ہے، اس کی انگلیوں کے نشانات وہ نہیں ہیں۔ کیا یہ عجیب ترین بات نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کہتے چلے گئے۔

"ہوں، واقعی یہ تو عجیب ترین بات ہے۔" اجمل شاہ بولے۔

"اس قیدی سے کبھی کوئی ملاقاتی ملنے آیا؟"

"ابھی معلوم کراتا ہوں۔" اجمل شاہ نے کہا۔

جلد ہی ان کے سامنے کچھ اور کاغذات پیش کیے۔ ان کاغذات سے ظاہر ہوا، ایک عورت کئی بار ارجن ناگی سے ملاقات کرنے آ چکی ہے۔ اس کا پتا نوٹ کر لیا گیا تھا، اب وہ اس کی طرف مڑے:

"کیوں ارجن، یہ عورت کون ہے؟"

"مم، میری ماں۔"

"لیکن ابھی ابھی تو تم نے کہا تھا کہ تمہارا کوئی گھر نہیں۔"

"جرائم پیشہ افراد کا کوئی گھر نہیں ہوتا، گھر کے لوگ انہیں گھروں میں کب گھسنے دیتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہوں، مجھے بھی کچھ پوچھنا تھا۔" انہوں نے کہا اور اجمل شاہ نے نگرانوں کو اشارہ کیا کہ وہ اسے لے جائیں۔

"نو سال پہلے بھی آپ اسی جیل کے سپرنٹنڈنٹ تھے؟"

"جی نہیں، اس زمانے میں جیل سپرنٹنڈنٹ لال دین خان تھے۔ وہ اب

ریٹائر ہو چکے ہیں۔"

"ان کا پتا بتا سکتے ہیں آپ؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے نوٹ بک میں سے پتا نوٹ کر کے کاغذ انہیں دے دیا۔

"ان کے بعد اور آپ سے پہلے کوئی اور سپرنٹنڈنٹ تو نہیں آئے۔"

"جی نہیں۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"عجیب معاملہ ہے۔" باہر نکلتے ہی محمود بڑبڑایا۔

"لیکن اب بہت جلد سراغ ملنے والا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اپنی زبان سے۔" فرزانہ مسکرائی۔

جیپ میں بیٹھ کر وہ اس عورت کے دروازے پر پہنچے جو ارجن ناگی سے ملنے آئی تھی۔ دستک کے جواب میں ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"کیا بات ہے میرے بچو؟"

"ارجن ناگی آپ کا ہی بیٹا ہے بڑی بی؟"

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"اور وہ جیل میں ہے۔ آپ اس سے کئی بار ملنے جیل جا چکی ہیں۔ آپ جس سے ملاقات کر کے آتی رہی ہیں، کیا وہی آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہاں، وہی میرا بیٹا ہے۔"

"کیا آپ کا بیٹا جرائم پیشہ تھا۔ بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا؟"

"ہاں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"اچھا بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لیکن بیٹا، تم نے بتایا نہیں، یہ باتیں کس لیے پوچھ رہے ہو۔" اس کے لہجے میں الجھن ظاہر تھی۔

"ایک بہت ہی عجیب معاملہ ہے۔ جس ارجن ناگی کو بنک میں ڈاکے کے وقت پولیس نے گرفتار کیا تھا، جیل والا ارجن ناگی وہ نہیں ہے۔"

"کک، کیا مطلب۔ کیا میرا بیٹا مجرم نہیں؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن بہت جلد حقیقت کا پتا چلا لوں گا آپ فکر نہ کریں۔"

وہ باہر نکل آئے۔

"ابا جان، معاملہ تو ہر لمحے الجھتا ہی جا رہا ہے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اگر آپ کا بھی یہی خیال ہے تو پھر ہمارے خیالوں کا تو خدا ہی حافظ ہے۔" فاروق بوکھلا کر بولا اور وہ مسکرا دیے۔

اب ان کا رخ لال دین خان کی طرف تھا۔ انڈے کی طرح صاف سر اور سرخ چہرے کے مالک لال دین خان نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ ان کے جسم پر قیمتی سوٹ تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ان کے لباس کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ ضرور انسپکٹر جمشید ہیں اور یہ محمود فاروق اور فرزانہ ہیں۔" وہ بول اٹھے۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ ہم آپ کو زحمت دینے آئے ہیں۔"

"زحمت کی بات نہ کریں۔ ریٹائرمنٹ کی زندگی میں تو کسی ملاقاتی کا آنا

بہت خوشگوار لگتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"نو سال پہلے ایک شخص ارجن ناگی نے قومی بنک کی ایک مین شاخ میں ڈاکا ڈالا تھا، لیکن رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور عدالت نے اسے نو سال قید کی سزا سنائی تھی، پھر اسے جیل بھیج دیا گیا۔ آپ کو کچھ یاد ہے؟"

"دیکھیے، مجھے ریٹائر ہوئے پانچ سال ہو گئے، بھلا اب اتنی باتیں کہاں یاد ہوں گی۔"

"اگر ہم ارجن ناگی کو آپ کے سامنے لائیں تو کیا اس صورت میں بھی آپ کو اس کے بارے میں کچھ یاد نہیں آئے گا۔"

"اس صورت میں شاید کچھ بتا سکوں۔"

"اچھا تو میں اسے لے کر آتا ہوں۔ بھئی، تم تینوں یہیں ٹھہرو اور خان رحمان صاحب سے باتیں کرو۔" وہ بولے۔

"جی بہت بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور انسپکٹر جمشید تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے۔ آدھ گھنٹے بعد وہ ارجن ناگی کو لیے اندر داخل ہوئے۔ وہ اسے ہتھکڑی لگائے بغیر ہی لائے تھے۔

"یہ ہے ارجن ناگی۔ اسے دیکھیے اور یاد کیجیے۔"

لال دین خان کی نظریں اس پر جم گئیں۔ چند منٹ تک اسے بغور دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے کہا:

"افسوس، مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں۔ یہ قیدی میرے زمانے میں ہی جیل میں لایا گیا تھا۔"

"خیر، کوئی بات نہیں، اب اجازت دیجیے۔"

وہ باہر آئے۔ ارجن ناگی کو جیل پہنچا دیا گیا اور وہ گھر کی طرف چل

پڑے۔

"آخر ہم ارجن ناگی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"تو پھر تمہارے خیال میں کس کے پیچھے پڑیں۔ اس کیس میں اور ہے ہی کون، جس کے پیچھے پڑا جائے۔" فاروق بولا۔

"مسٹر الفان۔ ہم اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، لیکن وہ سمندر میں ہم سے بچھڑ گیا۔ ہو سکتا ہے، وہ ڈوب چکا ہو۔"

"اور ناجم کس کا خط لایا تھا۔ یہ بات ہی اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ بات یا تو ناجم بتا سکتا ہے، یا پھر مسٹر الفان، لیکن ہم ان دونوں سے ملاقات کس طرح کریں۔"

"گویا ہم بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ سراغ کے تمام دروازے بند ہیں۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"سراغ کے دروازے، لیجیے، اب سراغ کے بھی دروازے ہونے لگے۔" فاروق حیرت زدہ انداز میں بولا۔

گھر پہنچتے ہی بیگم جمشید نے خبر سنائی:

"ڈرائنگ روم میں ایک مہمان آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" وہ بولے اور چاروں جلدی سے آگے بڑھے۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچتے ہی ان کی نظریں اندر بیٹھے ہوئے شخص پر پڑیں۔ انہوں نے دیکھا، وہ الفان تھا۔

☆☆☆

سوچنے کی دعوت

"اوہو، مسٹر الفان آپ۔ آپ یہاں کس طرح پہنچ گئے۔ ہم تو سمجھے تھے، آپ سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔"

"بس اسے اتفاق ہی سمجھیں۔ لکڑی کا ایک بڑا ٹکڑا تیرتا ہوا مجھ تک آ گیا تھا، میں نے اسے پکڑ لیا اور اس کے سہارے دور نکل گیا۔ پھر کافی فاصلے پر جا کر ساحل پر پہنچا۔ گھر جا کر لباس بدلا۔ کچھ دیر آگ کے سامنے بیٹھا رہا اور جب ٹھنڈک کا احساس کم ہوا تو یہاں آ گیا۔" اس نے بتایا۔

"لیکن کیوں، آپ یہاں کیوں آئے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور کہاں جاتا۔ اب میں اس کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا، لے دے کے بس ایک ہی جائے پناہ نظر آئی اور میں یہاں آ گیا۔"

"آپ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ کیا ناجم کے....."

"ہاں، ناجم کے بارے میں ہی سمجھ لیجیے، لیکن اصل اشارا میرا اس گروہ کے باس کی طرف ہے۔ حکم تو دراصل اسی کا چلتا ہے۔ ناجم بھی اس کے آگے ایک خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"اور باس کون ہے؟"

"افسوس، کوئی یہ بات نہیں جانتا، ہم لوگ اسے جلاد کہتے ہیں۔ اس کے احکامات بذریعہ تحریر گروہ کے لوگوں کو ملتے ہیں۔"

"یہ گروہ کرتا کیا ہے۔"

"بس، صرف وہی کام کرتا ہے، جس کا حکم باس دیتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا، کب وہ کیا حکم دے بیٹھے۔ اگر اس کا حکم مل جائے کہ فلاں بنک میں ڈاکا ڈالا جائے تو ڈاکا ڈال دیا جائے گا۔ اگر یہ حکم ملے کہ فلاں آدمی کو اغوا کرلو، اغوا کرلیا جائے گا۔ اس کی پالیسیاں کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"لیکن آپ سب لوگ اس کے احکامات کیوں مانتے ہیں۔ کیا وہ سب کو لمبی چوڑی تنخواہیں دیتا ہے۔"

"تنخواہیں ضرور لمبی چوڑی دیتا ہے، لیکن سب لوگ اس کا حکم ان تنخواہوں کی وجہ سے نہیں مانتے۔"

"تو پھر۔"

"اس نے سب لوگ ایسے جمع کیے ہیں جو خطرناک جرم کر چکے ہیں۔ ان جرائم کی مکمل تفصیلات اس کے پاس ثبوت سمیت موجود ہیں۔ اس نے تمام کارکنوں کو یہ دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر کبھی ان میں سے کسی نے حکم عدولی کی تو اس کے جرائم کی تفصیل اور اس کے بارے میں ہر قسم کی معلومات پولیس کو بھیج دی جائیں گی۔"

"حیرت ہے، اس نے سب لوگوں کے جرائم کی تفصیلات کس طرح جمع کرلیں۔"

"اسی بات پر تو سبھی کارکن حیران ہیں۔"

"لیکن موجود معاملہ ملکی معاملہ نہیں۔ اس نے تو اس بار غیر ملکی معاملے میں دخل اندازی کی ہے اور اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ ایک غیر ملکی ایجنٹ

بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا اشارا کس واقعے کی طرف ہے؟"

"میرے ساتھیوں کے اغوا کی طرف۔ اس نے ان لوگوں کو اغوا صرف اس لیے کرایا کہ میں دوست ملک کے صدر کی آمد کو روکوادوں، آخر وہ ایسا کیوں چاہتا ہے، صاف ظاہر ہے، اس سے دشمن ملک کے علاوہ کسی کو بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"ہوسکتا ہے، آپ کا خیال ٹھیک ہو۔ میں نہیں جانتا، آپ لوگوں کو کیوں اغوا کیا گیا تھا۔ مجھے تو اس معاملے کی سن گن اس وقت لگی تھی، جب آپ لوگ ہوٹل میں آئے تھے، لیکن اس سے پہلے میری ملاقات ناجم سے ہوگئی۔ اس وقت تک میں صرف ناجم کا نام سنتا رہا تھا۔ ناجم دراصل باس کا وہ خاص کارکن ہے جو ناپسندیدہ لوگوں کو گروہ سے نکالنے کا کام کرتا ہے۔" اور گروہ سے کسی کو نکالنے کا مطلب اسے جان سے مار ڈالنا ہے۔ اسی لیے ناجم بھی گروہ میں جلاد کے نام سے پکارا جاتا ہے، لیکن چھوٹا جلاد۔ کیونکہ وہ بھی آخر باس کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ باس اگر کسی کے خاتمے کا حکم نہ دے تو وہ کیوں ایسا کرے۔"

"اور یہ ارجن ناگی کا کیا معاملہ ہے؟" محمود جلدی سے بولا۔

"ارجن ناگی بھی گروہ کے لیے کام کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے، لیکن نو سال پہلے ارجن ناگی نے بنک میں ڈاکا ڈالا تھا اور پکڑا گیا تھا۔ جیل میں ایک عدد ارجن ناگی بھی موجود ہے، لیکن ایک ارجن ناگی باہر بھی دندناتا پھر رہا ہے۔ آخر یہ کیا چکر ہے۔"

"میں اس معاملے میں کچھ نہیں جانتا، صرف اتنا جانتا ہوں کہ ارجن ناگی بھی گروہ کا آدمی ہے۔ گروہ کے سب آدمی ہوٹل میں ضرور آتے ہیں، کیونکہ باس کے احکامات انہیں وہیں سے ملتے ہیں۔"

"اوہو، وہ کس طرح؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"بذریعہ فون۔ وہ گروہ کے کسی بھی کارکن کو فون پر بلا کر ہدایات دے دیتا ہے۔ غالباً کوئی پبلک فون بوتھ استعمال کرتا ہوگا۔"

"ہوں، ضرور یہی بات ہے، لیکن ارجن ناگی والا معاملہ تو پھر بھی صاف نہیں ہو سکا۔"

"افسوس، اس سلسلے میں میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"اچھا خیر۔ اب یہ بتائیے، آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ آپ نے اگر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو پولیس اسٹیشن جانا چاہیے تھا۔"

"باس اور ناجم مجھے کہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں، آپ میری حفاظت کا بندوبست کرا دیں۔"

"گویا میں آپ کو اپنی حفاظت میں جیل تک پہنچا دوں؟" انہوں نے پوچھا۔

"نن نہیں۔ جیل تو بالکل غیر محفوظ جگہ ہے۔ جیل تک تو ان کے ہاتھ فوراً پہنچ جاتے ہیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ایک کارکن یہ حماقت کر چکا ہے۔ اس نے جلاد سے خوفزدہ ہو کر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے اس کا بیان لیا اور مقدمہ چلا کر اسے جیل بھیج دیا، لیکن تین دن بعد کوئی شخص اس کی ملاقات کے لیے آیا اور وہ ملاقات کے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ یہ تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے۔"

"یہ گروہ کب سے کام کر رہا ہے؟"

"تقریباً بارہ سال سے۔" اس نے کہا۔

"تب پھر آپ کو کہاں بھیجا جائے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، میں نے تو خود کو آپ کی حفاظت میں دے دیا ہے۔ اگر آپ مجھے جلاد کے ہاتھوں نہ بچا سکے تو اس میں سراسر آپ کی بدنامی ہوگی، کیونکہ میں یہاں آنے سے پہلے تمام اخباروں کے ایڈیٹروں کو یہ خبر سنا آیا ہوں اور کل کے اخبارات اس خبر کو بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کریں گے۔" اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے۔ آخر چند سیکنڈ بعد بولے۔

ٹھیک ہے، میں آپ کو اسپیشل جیل میں بھجوائے دیتا ہوں۔ وہاں جلاد کا ہاتھ نہیں پہنچ سکے گا۔"

"یہ آپ بہتر جانتے ہیں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اسی وقت اکرام کو فون کیا۔ وہ جلد ہی چند سادہ لباس والوں کو لے کر آ گیا۔ بند گاڑی ساتھ لایا تھا۔ القان کو بند گاڑی میں بٹھایا گیا۔ سادہ لباس والے اس کے ساتھ بیٹھے اور گاڑی اسپیشل جیل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس جیل کے بارے میں بہت ہی خاص خاص لوگوں کو معلوم تھا۔

"افسوس، القان سے بھی ہمیں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔" فاروق مایوسانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"اس کیس میں اب تک ایک بہت خاص بات معلوم ہو چکی ہے۔ اور ہم اس پر غور کر کے مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہت خاص بات، لیکن ہمیں تو اس پورے کیس میں دور دور تک کسی خاص بات کے معلوم ہونے کا احساس نہیں ہوا۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"بلکہ دو خاص باتیں۔ ایک بات کا خیال مجھے ابھی ابھی آیا ہے۔"

"اوہو، اب دو ہو گئیں۔ حیرت ہے، یہ ہماری عقلیں کیا گھاس چرنے گئی ہوئی ہیں کہیں۔" فاروق بولا۔

"صرف تمہاری عقل۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو، جب کہ ہم تینوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"آپس میں لڑنے کی بجائے اگر ہم یہ سوچیں کہ وہ دونوں خاص باتیں کیا ہیں، تو یہ کہیں بہتر ہوگا۔" محمود نے جھنا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، میں تمہیں سوچنے کی دعوت دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان، آپ کسی اور چیز کی دعوت نہیں دے سکتے۔" فاروق نے حسرت زدہ لہجے میں کہا اور وہ ہنس پڑے اور بولے:

"اگر تم سوچنے میں کامیاب ہو گئے تو جس چیز کی دعوت کہو گے، دوں گا۔"

"چلیے منظور، لیکن یہ تو بتا دیں، ہمیں سوچنا کیا ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"دو خاص باتیں۔" وہ مسکرائے۔

"آپ ایسے کہاں، جو بھول کر بتا جائیں۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہمارے ساتھی ضرور ہمیں واپس مل گئے ہیں، لیکن آپ کے کاغذات اور پروفیسر انکل کی ایجادات کے فارمولے ابھی تک مجرموں کے قبضے میں ہیں اور انہیں جلد از جلد حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ ان چیزوں کو دشمن ملک میں نہ پہنچا دیں۔ خیر اکرام کو تمام حالات کا علم ہے اور اس نے احتیاطی تدابیر کر لی ہوں گی۔"

"پھر بھی آپ ان سے معلوم کر لیں، تدابیر کر چکے ہیں یا نہیں۔"

"ہاں ضرور، ابھی تو..... اکرام الفان کو جیل پہنچا کر لوٹا بھی نہیں ہوگا۔ لو تم ذرا سوچ کے سمندر میں غوطے کھاؤ۔ میں دو ایک ضروری کام کر آؤں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔" فرزانہ نے انہیں بغور دیکھا۔

"ابھی میں......"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ فون کی گھنٹی بجی تھی۔ انہوں نے جلدی سے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔" یہ کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگے اور پھر زور سے چلائے:

"کیا؟"

"یا اللہ رحم، اس کیس میں پہلا کیا ہے، جو سننے میں آ رہا ہے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔ اتنے میں وہ ریسیور رکھ چکے تھے اور خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"خیر تو ہے ابا جان۔" فرزانہ بے چین ہو گئی۔

"بند گاڑی جب اسپیشل جیل کے سامنے پہنچی اور الفان کو گاڑی سے نکالا گیا تو وہ مر چکا تھا۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ بھونچکا رہ گئے۔

"ہاں، اندر بیٹھے محافظ اسے سوتا خیال کرتے رہے۔ گاڑی کی روانگی کے بعد ہی وہ ان کے خیال میں سو گیا تھا۔"

"لیکن وہ کس طرح مرا۔"

''ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ہی کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''تت، تو کیا، سادہ لباس والوں میں کوئی مجرم کا ساتھی موجود تھا؟''

''نہیں، اس کا امکان نہیں۔ سادہ لباس والوں پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مجرموں کے کسی ساتھی نے کسی سادہ لباس والے کی جگہ لے لی ہو، کیونکہ یہ فیصلہ میں نے فوری طور پر کیا تھا۔ یہ بات نہیں کہ ایک دو گھنٹے بعد فیصلہ کیا گیا تھا اور اس پر عمل اب شروع ہوا تھا۔ ادھر تو یہ بات میرے ذہن میں آئی، ادھر میں نے اکرام کو فون کر دیا۔ وہ سادہ لباس والوں کو لے کر پہنچ گیا۔ اس مختصر سے وقت میں یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی مجرم سادہ لباس والوں کی جگہ لے لے۔''

''لیکن یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ مجرموں میں سے کوئی اسپیشل جیل کے آس پاس موجود ہو اور جونہی الفان باہر نکلا ہو، اسے کسی طرح ختم کر دیا گیا ہو۔''

''تم بھول رہے ہو۔ اکرام کا بیان یہ ہے کہ الفان گاڑی کے اندر ہی سے مردہ حالت میں نکالا گیا اور میں سمجھ گیا۔'' یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

''کیا سمجھ گئے، کچھ ہمیں بھی تو بتائیے۔''

''مجرموں کا کوئی ساتھی الفان کا تعاقب کرتا یہاں تک پہنچ گیا تھا اور جب الفان کو بند گاڑی میں بٹھانے کے لیے باہر نکالا گیا، اس وقت اس نے اس پر وار کیا۔''

''وار کیا، اگر وار کیا تھا تو اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔'' فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

''ہو سکتا ہے، اس کے جسم میں کوئی ایسا زہر داخل کیا گیا ہو۔ جس نے چند منٹ بعد اپنا کام شروع کیا اور یہ زہر وہ بلو پائپ یا اس قسم کی کسی چیز سے کچھ فاصلے

سے بھی اس کے جسم میں داخل کر سکتا تھا۔ ٹھہرو، ہمیں دروازے کا جائزہ لینا ہو گا۔ مجرم ضرور ہمارے پائیں باغ کے کسی درخت پر موجود تھا۔''

''اوہ۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

☆☆

وہ جلدی سے باہر نکلے۔ دروازے کے باہر کے سامنے والے درخت کی طرف نظر کی، پھر اس کے نیچے آئے۔ درخت کا بغور جائزہ لیا۔

''کیا خیال ہے، اگر کوئی شخص اس درخت کی گھنی شاخوں میں چھپ جائے اور بلو پائپ سے زہریلی سوئی دروازے سے نکلتے ہوئے شخص پر پھینک مارے، تو وہ کامیاب نہیں ہو جائے گا۔''

''بالکل ہو جائے گا۔ ارے باپ رے، پھر تو یہ درخت ہمارے لیے بھی خطرناک ہے۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا اور درخت کی شاخوں کو بغور دیکھنے لگا۔

''گھبراؤ نہیں، ہم اس درخت کو کٹوا دیں گے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر بولے۔

''اب بسم اللہ کرو۔''

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔'' فاروق نے جلدی سے پڑھا۔

''میرا مطلب ہے، اس درخت پر چڑھ جاؤ۔'' وہ جھلا اٹھے۔

''اوہ اچھا۔'' اس نے کہا اور بسم اللہ کر کے درخت پر چڑھنے لگا۔ ابھی درمیان میں پہنچا تھا کہ بول اٹھا:

''اور آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اوپر چڑھ کر کیا کروں۔''

''جائزہ لو، قاتل کوئی نشان وغیرہ تو نہیں چھوڑ گیا۔''

''جی بہتر، لیکن اس کی امید ذرا کم ہے۔ اس بار کے مجرم اتنے احمق نظر

نہیں آتے کہ ہمارے لیے قدم قدم پر سراغ چھوڑ جائیں۔"

"پروا نہ کرو، وہ کچھ چھوڑیں یا نہ چھوڑیں، ہمیں تو ہر طرح اپنا اطمینان کرنا ہی پڑے گا۔"

دیکھتے ہی دیکھتے فاروق اوپر پہنچ گیا۔

"کیوں، کیا کوئی نشان چھوڑ گیا یا نہیں۔"

"نشان تو نہیں، کاغذ کا ایک پرزہ ضرور ایک شاخ میں اٹکا گیا ہے۔" فاروق اوپر سے بولا۔

"اوہو اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں، اور اس پر لکھا ہے، بس دیکھ لی تمہاری عقل مندی۔"

"بہت خوب، اس کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لو اور نیچے اتر آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے اسے ہدایت دی۔

"تو میں اسے نیچے کیوں نہ گرا دوں۔"

"اس طرح یہ کسی شاخ میں الجھ سکتا ہے اور تمہیں اس شاخ تک جانا پڑے گا۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور نیچے آنے لگا۔

انسپکٹر جمشید نے پرزہ ہاتھ میں لے کر پڑھا، پھر بولے:

"چلو، یہ بھی ایک ثبوت ہاتھ لگا ہے۔ ارے ہاں، اب تم سوچنے کی دعوت اڑانا شروع کر دو۔"

"ہائیں اباجان، آج کل تو آپ بہت فیاضی دکھا رہے ہیں، کمال ہے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"اور میں چلا چند ضروری کام نمٹانے۔"

انہوں نے کہا اور جیپ کی طرف بڑھ گئے۔ تینوں اندر آ کر اپنے کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور لگے غور کرنے۔ اچانک محمود نے سر اوپر اٹھایا اور پرجوش لہجے میں بولا:

"مجھے ایک بہت زوردار خیال آیا ہے۔"

"لیکن اباجان نے زوردار خیال کے بارے میں نہیں۔ وہ خاص باتوں پر غور کرنے کے لیے کہا تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے، محمود کا زوردار خیال دونوں خاص باتوں میں سے کسی ایک کا رشتے دار ہو۔" فرزانہ بولی۔

"دھت تیرے کی، تم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئیں۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"محمود، جلدی بتاؤ، وہ زوردار خیال کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میں تمہیں کیوں بتاؤں۔ اباجان کو بتا کر داد کیوں نہ وصول کروں۔"

"تو مجھ سے وصول کر لو نا کتنی داد وصول کرنی ہے؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"سوری، تمہاری داد کس کام کی۔ اباجان سے داد وصول کرنے کا لطف ہی اور ہے۔" وہ بولا۔

"یہ تم کیا وصول کر رہے ہو ایک دوسرے سے؟" بیگم جمشید کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"جی داد کا ذکر ہے، جو شاعر لوگ عام طور پر وصول کرتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"چھوڑو، کس بے کار چیز کے پیچھے پڑے ہو۔" بیگم جمشید بولیں اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔

"وہ مارا، میں نے بھی ایک خاص بات نوٹ کر ہی لی۔" فرزانہ پر جوش انداز میں چلائی۔

"رہ گیا میں بے چارہ۔ خیر کوئی بات نہیں، میں بے داد ہی بھلا۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"بھئی، ذہن پر زور دو نا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو تم ہی کیوں نہ بتا دو۔"

"نہیں، میں بھی ابا جان سے....."

"ارے۔" اچانک فاروق کے منہ سے نکلا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل اُٹھے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

☆☆☆

برابر کی شاباش

محمود نے دروازہ کھولا تو انسپکٹر جمشید مسکراتے نظر آئے۔

"کیوں بھئی، تمہارے ذہنوں نے کچھ کام دکھایا یا نہیں۔"

"جی ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم تینوں کے ذہن چل نکلے ہیں۔" محمود بولا۔

"خدا کا شکر ہے، تمہارے دماغ نہیں چلے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اب وہ صحن تک پہنچ گئے تھے؟ "ہاں تو کیا اندازے لگائے تم تینوں نے۔"

"جی وہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اپنے اپنے اندازے اپنے اپنے تک رکھے ہیں۔" فاروق بولا۔

"توبہ ہے، ایک ہی جملے میں چار بار اپنے کا لفظ استعمال کر ڈالا۔" فرزانہ نے کڑوا سا منہ بنایا۔

"میری طرف سے تم پانچ بار استعمال کر لو۔" فاروق بھنا اٹھا۔

"چلو خیر، میں سمجھ گیا۔ تم شاباش حاصل کرنے کے چکر میں ہو۔ اچھا تو پرانے طریقے پر عمل کرو۔"

اور وہ پرانے طریقے پر عمل کرنے بیٹھ گئے۔ یعنی تینوں نے ایک ایک کاغذ سنبھالا اور اپنے اپنے اندازے اس پر لکھ دیے، پھر کاغذوں کو تہہ کیا اور ان کی طرف

بڑھا دیے۔

"تو تم نے ان میں وہ دو خاص باتیں لکھی ہیں، جن کے ذریعے ہم مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"جی ہاں۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

انہوں نے باری باری تینوں کاغذ کھولے۔ ان پر ایک ایک نظر ڈالی اور پھر مسکرا دیے۔

"کمال ہے، تینوں کے اندازے ایک دوسرے سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ ایک ہی بات لکھی ہے۔"

"تب تو ہم تینوں برابر کی شاباش کے مستحق ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں بالکل۔"

"جب کہ محمود اور فرزانہ اکیلے ہی اکیلے ساری شاباش ہڑپ کرنے کے موڈ میں تھے۔"

"پہلی خاص بات جو تم تینوں نے لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ جنگل میں جس شخص سے ہماری ملاقات ہوئی تھی، وہ ارجن ناگی ہی تھا۔ اور اس نے اس وقت اپنے کوٹ کے کالر میں سرخ گلاب لگا رکھا تھا۔ یہ سرخ گلاب بعد میں ہمیں مسٹر القان کے کوٹ کے کالر میں بھی نظر آیا۔ تاجم نے بھی کالر میں سرخ گلاب لگا رکھا تھا، گویا سرخ گلاب کالروں میں بلاوجہ نہیں لگایا جاتا۔ شاید یہ اس گروہ کا نشان ہے دوسری خاص بات یہ تم تینوں نے لکھا کہ مجرم یعنی اس گروہ کے باس نے جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے گروہ میں شامل کیا ہے۔ آخر اسے ان کے جرائم کے بارے میں کس طرح پتا چل جاتا ہے۔ یا کم از کم اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص جرائم پیشہ ہے اور فلاں نہیں۔ یہ بات اسے معلوم ہوتی ہے، تب ہی تو وہ جرائم پیشہ لوگ چن لیتا

ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسے یہ بات کس طرح معلوم ہوتی ہے۔ دونوں باتیں بہت وزنی ہیں اور میں تم لوگوں کے ذہنوں سے یہی اگلوانا چاہتا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دو باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم مجرم کی شخصیت کو جان سکے ہیں یا نہیں۔ کیا مجرم کوئی ایسا شخص ہے، جو خود بھی کوٹ کے کالر میں سرخ گلاب لگاتا ہے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"گویا ہم ابھی تک اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، اب کسی قدر روشنی آنے لگی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے: اور میں سوچ رہا ہوں، ہوٹل القان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جائیں۔ ہوٹل کا مالک القان تھا۔ اس نے ہوٹل سرخام نامی آدمی سے خریدا تھا، پھر سوال یہ ہے کہ تاجم نے آکر یہ کس طرح کہہ دیا کہ ہوٹل کا مالک اب میں ہوں۔ کیا القان ہوٹل کا فرضی مالک تھا؟" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"فرضی مالک۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"تمہیں تو بس ناولوں کے ناموں کی پڑی رہتی ہے۔" فرزانہ نے پاؤں پٹخا۔

"وہ اس لیے کہ آج کل کے ناول نگاروں کو نام تک رکھنے نہیں آتے۔"

"لیکن ہم ناول نگار نہیں ہیں اور نہ کوئی ناول نگار ہمارا رشتے دار ہے، جس کے لیے تم نام تجویز کرتے رہتے ہو۔" محمود بولا۔

"یہ تم کیا لے بیٹھے۔" انسپکٹر جمشید نے جھنجلا کر کہا۔

"اوہ سوری، بات ہو رہی تھی ہوٹل القان کی۔ اگر القان ہی ہوٹل کا مالک تھا تو پھر تاجم آکر کس طرح مالک بن گیا اور القان نے بیروں کو اس کا حکم ماننے کی

ہدایات کیوں دیں۔"

"اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ باس کو الفان کے جرائم کے بارے میں بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ ناجم باس کا خاص آدمی ہے اور سزا دینے کے لیے بھیجا جاتا ہے، لہٰذا الفان خوفزدہ ہو گیا اور وہی کرتا چلا گیا جو ناجم اس سے کہتا رہا۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔ ابا جان، ہم کیوں نہ سرخام نامی آدمی سے مل لیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ذرا دیکھیں تو سہی، یہ شخص کون ہے۔ اس کا تو ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ بولے اور پھر فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر گھمانے لگے۔ جلد ہی انہوں نے کہا۔

"ہیلو، میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ جی، جی ہاں۔ ٹھیک ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ الفان نے جس سرخام سے ہوٹل خریدا تھا، اس کا پتا کیا ہے۔ جی، جی اچھا۔"

انہوں نے کہا اور خاموش ہو گئے۔ ریسیور کان سے لگا رہنے دیا۔ شاید دوسری طرف سے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ہوٹل باس نے الفان کے نام سے خریدا تھا۔" اچانک فاروق بول اٹھا۔

"اوہ، ویری گڈ۔ ضرور یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید کھل اٹھے۔

"ہاں واقعی۔ اب بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہوٹل کا اصل مالک اس گروہ کا لباس ہے۔ یہ ہوٹل دراصل اسی گروہ کے لیے بنایا گیا ہے، تا کہ وہ اس میں بیٹھ کر باس کے احکامات وصول کر سکیں ایک دوسرے سے مل سکیں۔ منصوبوں پر عمل کرنے کے

پلان بنا سکیں۔ اور باس نئے جرائم پیشہ لوگوں کو اس ہوٹل کے ذریعے بھرتی کر سکے۔ اب چونکہ الفان ایک فرضی مالک تھا اور گروہ کا ایک کارکن تھا۔ اس لیے جب باس نے ناجم کو ہوٹل کا منتظم بنا کر بھیجا تو وہ گھبرا گیا۔ سمجھ گیا کہ باس اسے سزا دینا چاہتا ہے، لیکن ناجم کا رعب اس قدر تھا کہ وہ کچھ کر بھی نہ سکا اور الفان کو ہوٹل سے صرف اس لیے ہٹایا گیا کہ اغوا والے معاملے میں ہم آگے بڑھ رہے تھے۔ باس کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں ہم الفان کے ذریعے اس تک نہ پہنچ جائیں اور اس کا صاف مطلب ہے کہ الفان کو باس کے بارے میں معلوم تھا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"جی، کیا فرمایا۔ الفان کو باس کے بارے میں معلوم تھا۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"ہاں، ورنہ اسے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تو کیا ناجم بھی باس کے بارے میں جانتا ہے۔"

"ضرور جانتا ہو گا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن افسوس، بس ہم ہی باس کے بارے میں نہیں جانتے۔" فرزانہ نے سرد آہ بھری۔ اسی وقت فون پر بات کی جانے لگی۔ اور انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں ہاں، میں سن رہا ہوں، ٹھیک ہے۔ میں ذرا نوٹ کر لوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ قلم سنبھالا اور لکھنے لگے، پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"لو بھئی، یہ ہے سرخام کا پتا۔ کیا خیال ہے، اس سے مل لیا جائے۔"

"کیوں نہیں، اس سے بہتر بھلا کیا بات ہو سکتی ہے۔"

اور وہ سرخام کے پتے کی طرف روانہ ہو گئے۔ پتا تلاش کرنے میں انہیں دقت نہیں ہوئی۔ یہ ایک بہت بڑا مکان تھا، لیکن بہت پرانا بھی۔ دروازے پر دستک

دیتے ہوئے ان کے دل دھڑکنے لگے۔ جلد ہی ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا۔ ان پر نظر ڈالی اور بولا:

"فرمایئے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں مسٹر سرخام سے ملنا ہے۔"

"سرخام؟" بوڑھے نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں، سرخام۔"

"لیکن یہاں تو کوئی سرخام نہیں رہتا۔ میں اس مکان کا مالک ہوں اور میرا نام اجمل بیگ ہے۔"

"کیا آپ ہمیشہ سے اس مکان کے مالک ہیں؟"

"نہیں تو، میں نے یہ ایک شخص سے خریدا تھا۔ وہ کافی دولت مند تھا، لیکن پھر اس نے کہیں ملازمت کر لی اور یہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔"

"کیا آپ اس آدمی کا نام بتا سکتے ہیں؟"

"بہت عرصے کی بات ہے، اب یاد نہیں۔ ہاں، کاغذات دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، مہربانی فرمائیں۔"

"اندر آ جائیں، لیکن معاملہ کیا ہے؟" اس کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"معاملہ۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں بس اس شخص سے ملنا ہے جو اس مکان کا مالک تھا۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے، آپ لوگ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیں۔ میں کاغذات تلاش کر کے لاتا ہوں۔ جب یہ مکان خریدا، اس وقت میں بھی کاغذات

کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس لیے شاید کاغذات ملنے میں دیر لگ جائے۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔

اور بوڑھا انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔

"میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیوں، ان بڑے میاں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"بڑے میاں سے ڈر رہے ہو گے تم، میرا دل تو صرف اس لیے دھڑک رہا ہے کہ کوئی بات، بہت اہم بات سامنے آنے والی ہے۔"

"تب تو ہو سکتا ہے، تمہارا دل بالکل صحیح دھڑک رہا ہو۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"دل بھی کہیں غلط دھڑکا کرتا ہے۔" محمود نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں کیوں نہیں، بعض اوقات تو انسان ایک چوہے سے ڈر جاتا ہے اور اس کا دل دھڑک اٹھتا ہے۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

"اتفاق سے کاغذات جلد مل گئے، یہ دیکھیے۔"

انہوں نے کاغذات دیکھے اور انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"بڑے میاں، آپ نے یہ مکان سرخام نامی آدمی سے ہی تو خریدا تھا۔"

"او ہو اچھا، ابھی مجھے نام یاد نہیں رہا تھا۔" وہ بولا۔

"تو یہ شخص کسی دوسرے شہر میں ملازم ہو گیا تھا، حالانکہ اس کے پاس دولت بھی تھی۔"

"ہاں، کافی مال دار تھا۔ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا بھی تھا کہ

دولت مند ہوتے ہوئے اسے ملازمت کی کیا ضرورت ہے، اس پر اس نے کہا تھا، جو عیش ملازمت میں ملتی ہے، کسی اور کام میں کہاں۔" بوڑھے نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ اسے کس محکمہ میں اور کس عہدے پر ملازمت ملی تھی۔"

"جی نہیں، اتنی یادداشت کہاں میری۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا، اس شخص کا حلیہ کیا تھا، یہ تو بتا ہی سکتے ہیں؟"

"ہاں کسی قدر۔ کیونکہ رجسٹری کرانے کے سلسلے میں اس کے ساتھ کئی دن گزارے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، وہ ایک بہت صحت مند آدمی تھا۔ سر کے بال سرخ رنگ کے تھے، لیکن بال گھنے نہیں تھے۔ جسم کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ یوں لگتا تھا، جیسے اس میں بہت خون بھرا ہوا ہے۔ صحت مند جسم اور لمبے قد کا مالک تھا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"یہی کافی ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔" انہوں نے کہا اور بوڑھے کا شکریہ ادا کر کے باہر نکلے۔

"کیا اندازہ لگایا ابا جان؟"

"یہ کہ اس حلیے کے آدمی سے ہم مل چکے ہیں۔"

"ارے، کب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس کیس کے شروع ہونے کے بعد۔" وہ مسکرائے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی۔

☆☆☆

حلیہ

"آپ کا مطلب ہے، آپ مجرم کو پہچان گئے ہیں؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہاں آنا بہت مفید رہا۔ حلیے پر غور کرو، تم بھی جان جاؤ گے۔"

"جی غور تو ہم بہت دیر سے کر رہے ہیں۔ سر کے بال سرخ، جسم سرخ و سپید، صحت مند، سر کے بال گھنے نہیں تھے، لیکن اپنے خیال میں ہم اس حلیے کے کسی آدمی سے اب تک نہیں ملے۔"

"مل چکے ہیں بھئی، خیر، تم غور کرو، میں ذرا تھوڑی سی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر آؤں۔" یہ کہہ کر وہ انہیں جیپ میں چھوڑ کر ایک میڈیکل اسٹور میں گھس گئے۔ پندرہ منٹ تک فون کرتے رہنے کے بعد وہ واپس لوٹے اور بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

"کچھ معلوم ہوا ابا جان؟"

"تھوڑی دیر بعد رپورٹ موصول ہو گی، فکر نہ کرو۔"

گھر پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے، آخر ریسیور رکھ کر بولے:

"ہوں، تو یہ بات ہے۔"

"جی، کیا بات ہے، کچھ ہمیں بھی بتائیے۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"بس ذرا دیر صبر کرو۔ اکرام اس بوڑھے کو لے کر یہیں آنے والا ہے۔"

"جی بوڑھے کو لے کر۔ لیکن کیوں، بوڑھے کی یہاں کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے ڈر ہے، مجرم اسے ختم نہ کر دے۔ اس لیے یہاں بلا رہا ہوں۔ ایک اور وجہ بھی ہے۔"

"اور وہ وجہ کیا ہے؟"

"اس سے ایک تصویر کی شناخت کرانا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اللہ رحم فرمائے۔ آپ تو حد درجے پراسرار بن رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی، ذرا لطف آ رہا ہے۔" وہ ہنسے۔

"کیا آپ اس لطف میں ہمیں شامل نہیں کریں گے۔" فرزانہ بے قرار ہو گئی۔

"نہیں بھئی، اس طرح کیا خاک لطف آئے گا۔ آخر تم لوگ حلیے پر کیوں غور نہیں کرتے۔"

"آپ بار بار حلیے پر زور دے رہے ہیں۔ خیر ہم اپنے کمرے میں جا کر اب صرف اور صرف اس بوڑھے کے بتائے ہوئے حلیے پر غور کرتے ہیں۔"

تینوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

"سرخ بال، کم گھنے، سرخ و سفید رنگ، صحت مند جسم، یوں لگتا ہے، جیسے اس میں خون بھرا ہوا ہے۔ کیوں بھئی، کیا اس کیس کے دوران ہم کسی ایسے آدمی سے ملے ہیں۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہاں، بالکل ملے ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اور کس سے؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"پتا نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"عجیب احمق ہو، پھر یہ کیوں کہا تھا، ہاں ملے ہیں۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔ ابا جان اگر یہ کہتے ہیں کہ ہم اس شخص سے مل چکے ہیں، تو پھر ہم اس بات سے انکار کس طرح کر سکتے ہیں۔"

"اوہ ہاں، بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اوہو، ارے، میری عقل شاید گھاس چرنے گئی تھی۔" اچانک محمود اچھل پڑا اور جلدی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" فرزانہ بوکھلا اٹھی۔

"عقل کو تلاش کرنے گیا ہے۔ گھاس چرنے گئی ہے نا۔" فاروق بولا۔

"اوہ نہیں، یہ بات نہیں۔ اس نے جان لیا ہے، ہم ایسے کس شخص سے ملے ہیں۔" فرزانہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب تم کہاں جا رہی ہو؟"

"مم۔ میں بھی عقل تلاش کرنے جا رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا اور باہر نکل گئی۔

فاروق چند سیکنڈ تک تو بُرے بُرے منہ بناتا رہا، پھر مسکرانے لگا۔ اتنے میں باہر سے آواز آئی:

"فاروق، کیا تم اندر ہی رہو گے؟" باہر سے انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"جی ہاں، اس لیے کہ میری عقل میرے پاس ہی ہے۔ گھاس چرنے نہیں گئی۔"

"میں کہتا ہوں، باہر آؤ۔ ہم مجرم کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں۔"

"او ہو اچھا، پہلے کیوں نہ بتائی یہ بات، میں تو اڑ کر پہنچتا آپ تک۔"

"بھئی اُڑ کر آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ نہیں ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا اور وہ بُرا سا منہ بناتا باہر نکل آیا۔

"ان دونوں نے مجرم کا نام جان لیا ہے۔ ویسے ابھی میں نے ان سے پوچھا نہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ میں بھی بتا سکتا ہوں۔"

ابھی اس نے منہ سے کسی کا نام نہیں لیا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود نے دروازہ کھولا تو اکرام اس بوڑھے کو لیے کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔

"تصویریں لے آئے اکرام؟"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ انہیں میز پر الٹ دو۔" وہ بولے۔

اکرام نے تصویروں والا لفافہ میز پر الٹ دیا۔

"بڑے میاں، ان تصویروں کو غور سے دیکھئے۔ ان میں اس آدمی کی تصویر بھی شامل ہے، جس سے آپ نے وہ مکان خرید تھا۔ یعنی سرخام نامی آدمی کی۔ ذرا تصویر نکال کر تو دکھا دیجیے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور ایک ایک تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ آخر ایک تصویر پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا:

"یہی ہے وہ۔"

انہوں نے جلدی سے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی، پھر فاروق کی

طرف دیکھ کر بولے:

"فاروق، میرا، محمود اور فرزانہ کا خیال درست نکلا۔ تم مجرم کا نام بتا دو۔"

اور فاروق نے بھی نام بتا دیا۔ انسپکٹر جمشید مسکرا اٹھے اور بولے:

"بالکل ٹھیک، آؤ اب چلیں۔"

"لیکن جناب، ہمارے پاس اس کے خلاف ثبوت کیا ہے۔" اکرام نے پریشان ہو کر کہا۔

"بہت بڑا ثبوت موجود ہے، فکر نہ کرو۔"

"کیا میں بھی ساتھ چلوں؟"

"ہاں، کوئی حرج نہیں۔"

وہ جیپ میں بیٹھے اور روانہ ہو گئے۔ اس بار کا مجرم تیز ہی کھیر ثابت ہوا تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے انہیں کافی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ آخر وہ مجرم کے دروازے پر اترے۔ محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ جلد ہی ملازم کی صورت نظر آئی۔ اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا اور خود چلا گیا۔

"کہیں مجرم خطرہ نہ بھانپ لے اور فرار نہ ہو جائے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے، تو پھر تم ذرا باہر جیپ کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ انداز ایسا ہونا چاہیے، جیسے جیپ میں سے کچھ نکال رہے ہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری۔ انہوں نے نظریں اوپر اٹھا دیں۔ مجرم ان کے سامنے موجود تھا۔

"خیر تو ہے انسپکٹر صاحب، آپ پھر تشریف لے آئے۔"

"جی ہاں، آپ سے ایک ضروری کام نکل آیا۔ عرصہ دراز کی بات ہے، آپ نے اپنا ایک مکان فروخت کیا تھا اور موجود ہوٹل الفنان بھی آپ نے فروخت کیا تھا۔ اس وقت ہوٹل کا نام کچھ اور ہوگا۔"

"اچھا تو پھر؟" اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔ پیشانی پر بل پڑے نظر آئے۔

"مکان فروخت کرنے کی وجہ آپ نے یہ بتائی تھی کہ آپ کو ایک دوسرے شہر میں ملازمت مل گئی ہے۔"

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

"اور پھر آپ دوسرے شہر چلے گئے، ملازمت کرتے رہے، پھر آپ کو ترقی مل گئی۔ آپ پہلے پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہوئے تھے۔ ترقی پا کر انسپکٹر بن گئے اور اس طرح جرائم پیشہ لوگوں سے آپ کا واسطہ پڑنے لگا، پھر آپ کی تبدیلی اس شہر میں ہوگئی اور آپ کو اور ترقی مل گئی۔ آپ ڈی ایس پی لگ گئے۔ پڑھے لکھے نوجوان تھے نا، صحت مند اور چاق و چوبند بھی بہت تھے، پھر یہ کہ آپ نے بہت سے مجرموں کو اتنی تیز رفتاری سے پکڑا کہ آپ کو ترقی پر ترقی ملتی چلی گئی، یہاں تک کہ آپ ایس پی بن گئے، پھر ایک دن آپ کو ایس پی جیل بنا دیا گیا، آپ جیل کے سپرنٹنڈنٹ لگ گئے۔"

"آخر آپ یہ ساری تفصیل کیوں سنا رہے ہیں۔ یہ میری زندگی کے واقعات ہیں، مجھے اچھی طرح معلوم ہے، پھر آپ یہ میرے سامنے کیوں دہرا رہے ہیں۔" اس نے الجھ کر کہا۔

"اور سپرنٹنڈنٹ بننے سے پہلے ہی آپ اپنا ایک گروہ ترتیب دے چکے تھے۔ جرائم پیشہ لوگوں کا گروہ۔ اس گروہ میں آپ نے منجھے ہوئے جرائم پیشہ شامل

کیے اور خود ان کے سرغنہ بنے رہے۔ لیکن کسی کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ ہاں معلوم تھی تو صرف ایک دو خاص آدمیوں کو۔ جیسے الفنان، ناجم وغیرہ۔ میرا خیال ہے، اب آپ میری باتوں کو بخوبی سمجھ رہے ہوں گے۔"

"میں اس ساری بکواس کا مطلب بالکل نہیں سمجھ رہا۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"لیجیے، آپ کو میری بات چیت بکواس لگنے لگی۔ افسوس، یہ تو بہت غلط بات ہے۔ لیکن اس سے بھی غلط بات یہ ہے کہ آپ کی کامیابیوں کو دیکھ کر دشمن ملک کے کسی خاص آدمی نے آپ سے رابطہ قائم کیا اور پیش کش کی کہ آپ اپنے ملک کی جڑیں تو ویسے بھی کھوکھلی کر رہے ہیں، کیوں نہ یہ جڑیں ہمارے لیے کھوکھلی کریں۔ اس طرح دولت بے تحاشا ملے گی۔ آپ فوراً تیار ہوگئے۔ جن لوگوں کے پاس ضمیر کی دولت نہیں ہوتی، وہ دنیا کی دولت پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں، چنانچہ آپ بھی ٹوٹ پڑے۔ یہ بھی نہ سوچا، ملک میں رہ کر جرائم کرنا پھر بھی کم نقصان دہ ہے۔ بہ نسبت دشمن ملک کے لیے جاسوسی کرنے کے۔ اب آپ دشمن ملک کے اشارے پر چلنے لگے۔ اپنے گروہ کو اس کے مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگے اور دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگے، لیکن آپ سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ آپ کا ایک خاص آدمی ارجن ناگی ایک ڈکیتی کے سلسلے میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اسے سزا ہوگئی تھی۔ آپ ٹھہرے جیل کے سپرنٹنڈنٹ، آپ کے لیے بھلا کیا مشکل تھا کہ اسے باہر نکال دیتے اور اس کی جگہ کسی بے گناہ کو جیل کی کوٹھری میں بند کر دیتے، لیکن اس کام کے لیے بہرحال ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ آپ نے یہ مسئلہ خود ارجن ناگی کے سامنے ہی رکھا۔ اس نے فوراً کہہ دیا، میرا ایک بڑا بھائی ہے۔ بہت شریفانہ زندگی گزارتا ہے۔۔ وہ میری خاطر جیل میں رہنے پر تیار ہو جائے گا، چنانچہ آپ نے ایک

رات ارجن ناگی کو باہر نکال دیا۔ ارجن ناگی سیدھا گھر گیا، بڑے بھائی کو کوئی فرضی کہانی سنائی کہ میں کس طرح مجرم بن گیا ہوں۔ بڑا بھائی محبت کا مارا اس کی جگہ رہنے پر تیار ہو گیا۔ ماں کو بھی چھوٹے اور آوارہ بیٹے سے زیادہ محبت تھی۔ اس نے بھی اس فیصلے کو خاموشی سے منظور کر لیا، لہٰذا آپ کی مدد سے یہ تبدیلی عمل میں آ گئی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے اس بات کا کس طرح پتا چل گیا، تو اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ جیل میں موجود ارجن ناگی کی شکل آواز ارجن ناگی سے ملتی جلتی ہے۔ آپ نے ایک تو یہ غلطی کی کہ جیل میں بند قیدی کو باہر نکال دیا۔ جب کہ اس کا ریکارڈ پولیس کے پاس موجود تھا اور کاغذات کی رو سے اسے جیل میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ اغوا کی واردات میں الجھا ہوا پایا گیا۔ اس طرح ہم جیل تک پہنچے، ورنہ ہم شاید آپ تک نہ پہنچ سکتے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ ارجن ناگی کے ذریعے مجھ سے فون پر بات چیت کرائی، حالانکہ آپ کے پاس اور بھی بہت سے آدمی تھے۔ آپ نے ہوٹل الفان کے نام کرا لیا۔ وہ بھی آپ کا خاص آدمی تھا۔ اسے آپ کے بارے میں ہر بات معلوم تھی۔ اسی وجہ سے جب اس نے خود کو قانون کے حوالے کیا تو آپ نے اسے ختم کرا دیا اور مزے کی بات یہ کہ ہاتھ کی لکھی تحریر بھی درخت پر چھوڑ دی۔ ہو سکتا ہے، چٹ آپ نے خود نہ لکھی ہو، لیکن آپ کے کسی آدمی کی لکھی ہوئی تو ہو گی ہی۔ ہمیں اغوا کے چکر میں آپ نے دشمن ملک کے اشارے پر الجھایا تھا، تاکہ میں کسی نہ کسی طرح مہمان صدر کے دورے کو کینسل کرا دوں۔ یہ واقعہ آپ کی گرفتاری کی وجہ بن گیا، ورنہ ابھی آپ نہ جانے کب تک ملک اور قوم کو نقصان پہنچاتے رہتے، لہٰذا لال دین خان صاحب آپ ہاتھ اوپر اٹھا دیں خود کو زیرِ حراست سمجھیں۔"

"لیکن ان سب باتوں کا ثبوت کیا ہے؟" اس نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"تو آپ اسی لیے مطمئن ہیں کہ میرے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت [نہی]ں ہے، لیکن یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ میرے پاس سب سے بڑا ثبوت ارجن ناگی [کے بڑ]ے بھائی کا ہے۔ اس کے بڑے بھائی کو جس زمانے میں جیل میں منتقل کیا گیا، [ا]س وقت آپ جیل سپرنٹنڈنٹ تھے۔ یہ ایک ایسا ثبوت ہے جسے تم جھٹلا نہیں سکتے۔"

"ہوں، اب آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے اب بھی بے فکری کے عالم [م]یں کہا۔

"میں بھلا کیا چاہوں گا، سوائے اس کے کہ آپ کو سلاخوں کے پیچھے [دیک]ھوں اور آپ کے گروہ کو بھی۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ہوٹل الفان [ا]س وقت سادہ لباس والوں کے گھیرے میں ہے اور اب تک گرفتاری شروع ہو چکی [ہ]و گی۔"

"ن... نہیں۔" وہ ہکلایا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور فون [م]یں بولا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے۔ اوہ مائی، کیا بات ہے، تمہاری آواز کیوں تھرا رہی ہے۔ کیا کہا؟"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"تو مائی نے میری بات کی تصدیق کر دی۔ ہوٹل میں گرفتاری شروع ہو چکی ہے۔ اب تم بھی خود کو قانون کے حوالے کر دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہرگز نہیں باس، آپ خود کو قانون کے حوالے نہیں کریں گے۔ ہم ان سب کے لیے کافی ہیں۔" کھڑکی کا ایک پردہ ہلا اور ناجم سامنے آ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ ساتھ ہی دوسری کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے ارجن ناگی نکل

آیا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی پستول تھا۔

"بہت خوب، ثبوت مکمل ہو گیا۔"

اچانک دو فائر ہوئے۔ پستول ارجن اور ناجم کے ہاتھ سے نکل گئے۔ انہوں نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا، وہاں اکرام کھڑا نظر آیا۔ عین اسی وقت ناجم نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگادی اور ارجن ناگی اکرام پر ٹوٹ پڑا۔

"رہ گئے ہم تینوں، تو ہم اصل مجرم سے نپٹ لیتے ہیں۔" فاروق چہکا۔

تینوں نے مجرم کو گھیرے میں لے لیا۔ فرزانہ نے اس کی کمر پر ٹکر ماری۔ وہ بوکھلا کر پلٹا تو دوسری طرف سے محمود نے وار کیا۔ ادھر گھوما تو بائیں طرف سے فاروق کا گھونسا لگا۔ وہ بھنا اٹھا اور اس کے ہاتھ اور پیر تیزی سے چلنے لگے۔ اس عمر میں بھی اس میں بلا کی پھرتی تھی۔ ایک منٹ کے لیے تو محمود، فاروق اور فرزانہ چکرا کر رہ گئے، پھر سنبھل کر اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے ناجم کو اچانک جھک کر دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ ارجن ناگی اس وقت اکرام کے ساتھ مکوں کی زبردست جنگ لڑ رہا تھا، لیکن اکرام اس کے اکثر مکے خالی دے رہا تھا اور خود بھی مکوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا۔ اچانک ناجم ارجن ناگی کے سر پر گرا۔ دونوں دھڑام سے فرش پر آ رہے۔

"ہائیں ہائیں، یہ کیا۔ آپس میں ہی لڑنے لگے۔" فاروق نے ان کی طرف دیکھا، لیکن ایسا کرنا اسے بہت مہنگا پڑا، کیونکہ اسی وقت اس کی تھوڑی پر لال دین خان کا مکا لگا اور اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچ گئے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اکرام نے ارجن ناگی اور ناجم کو اٹھنے نہ دیا، انہیں اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ انسپکٹر جمشید محمود اور فرزانہ کی مدد کو بڑھے۔ دوسرے ہی لمحے لال دین خان چوکڑی بھول گیا اور اس نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر دیے۔

"بس انکل، کھیل ختم ہو گیا۔ اب آپ بھی بس کریں۔ تھوڑی بہت ٹھوکریں بچا کر بھی رکھ لیں، کسی اور مجرم کے کام آ جائیں گی۔"

فاروق کی چہکتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ مسکرانے لگے۔

-----------☆☆☆-----------

اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk